16/06/08

بابت سنہ ۱۴۱۵ھ

پہلا محاضرہ علمیہ

بر موضوع

ردِّ رضاخانیت

پیش کردہ

حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالنپوری

استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

	صفحہ		صفحہ
سلسلہ رضاخانیت کی اہم شخصیات کا تعارف	۳۰	حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری	۳۴
رضاخانیت وبریلویت	۳۱	حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی	۳۵
رضاخانیت کی تردید میں کام کرنے والے حضرات	۳۲	حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری	۳۶
حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی	۳۲	حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی	۳۶
حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی	۳۳	حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی	۳۷
٭		حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفدر	۳۷
٭		رضاخانیت کے ردمیں اہم کتابیں	۳۸
٭			

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الَّذِیْ بُعِثَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ، وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَعُلَمَاءِ اُمَّتِہٖ، وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ لِقَائِہٖ

امّا بعد!

انسانی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جب بھی لوگوں میں غلط اور اعتقادی گمراہی پھیلی ہے تو اللہ تعالےٰ نے لوگوں کی ہدایت اور اصلاح کے لیے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا ہے، مگر اللہ کے پیغمبر جب بھی ہدایت کا پیغام لے کر اس دنیا میں آئے ہیں تو شیاطین الانس والجن نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے کہ لوگ نہ ان کی بات مانیں، نہ ہدایت قبول کریں بلکہ وہ شرک کے دَل دَل میں پھنسے رہیں۔ ارشاد خداوندی ہے،

وَکَذٰلِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیَاطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا۔

(سورۂ انعام آیت ۱۱۲)

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیاطین انسانوں میں سے اور جنات میں سے بنائے جن میں سے بعض بعض کے دلوں میں چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے تاکہ ان کو دھوکہ میں ڈالیں۔

لیکن جب اللہ جلّ شانہٗ کی توفیق سے کچھ لوگ ایمان لے آئے تو شیاطین نے دوبارہ کوشش کی، کہ ان کو ہدایت کے بعد گمراہی کے جال میں پھنسا دیں، یہود و نصاریٰ اور دوسری بگڑی ہوئی امتوں کی مثال ہمارے سامنے ہیں۔

اسی طرح جب اللہ تعالےٰ نے اپنے آخری رسول خاتم النبین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، تو اولاً شیاطین الانس والجن نے کوشش کی کہ کوئی آپؐ کی بات نہ مانے، اور نہ کوئی ایمان لائے۔ مگر اللہ جل شانہ کی طرف سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ نور توحید کا پھیلنا مقدر ہو چکا تھا۔ سورۂ صف میں ہے:

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝

آیت ۸، ۹

دشمنان اسلام چاہتے ہیں کہ نور الٰہی کو اپنی پھونکوں سے بجھادیں، مگر اللہ تعالیٰ اپنی روشنی مکمل فرما کر رہیں گے۔ خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔ اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے تاکہ وہ اس کو تمام ادیانِ باطلہ پر غالب کردیں، خواہ مشرکوں کو کتنا ہی برا معلوم ہو۔

اس لیے تھوڑے ہی عرصہ میں پورے جزیرۃ العرب میں اور اس کے بعد دنیا کے دوسرے حصوں میں آپ کا لایا ہوا دینِ حق پھیل گیا۔ اور بندگان خدا کی بڑی تعداد نے کفر و شرک چھوڑ کر آپ کی دعوت پر دین حق کو قبول کرلیا۔ تو شیاطین الانس والجن نے پینترا بدل کر محنت شروع کی، تاکہ آپ کی امت کو ایمان و تقوی کے راستے سے ہٹا کر الحاد و شرک اور فسق و فجور کی گھنگھور گھاٹیوں میں پہنچا دیں اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوئے، جیسا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی ہے کہ آپ کی امت کے کچھ لوگ اگلی امتوں کی طرح گمراہی کے جال میں پھنستے رہیں گے، حدیث کی اکثر کتابوں میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ ، (مشکوۃ شریف ص ۴۵۸)

جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی امت کے کچھ لوگ گذشتہ امتوں کی بالکل قدم بقدم پیروی کریں گے یعنی جو گمراہیاں اور بداعمالیاں یہود و نصاریٰ وغیرہ گمراہ امتوں نے اپنائیں ہیں۔ آپؐ کی امت کے بھی کچھ لوگ ضرور ان کو اپنائیں گے۔

ادیانِ سابقہ اور دین اسلام میں فرق

لیکن ادیان سابقہ اور دین اسلام میں دو اعتبار سے فرق ہے ——— پہلا فرق

یہ ہے کہ خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے چوں کہ سلسلۂ نبوت ختم نہیں ہوا تھا اس لیے انبیاء کرام وقتاً فوقتاً مبعوث ہو کر اُمم سابقہ کی اصلاح و رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے رہتے تھے اور احبار و علماء ان کا تعاون کرتے تھے لیکن خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر چوں کہ سلسلۂ نبوت ختم ہو چکا ہے اس لیے امت کی اصلاح کی پوری ذمہ داری وارثین انبیاء اور مجددین امت پر ڈالی گئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

يَحْمِلُ هٰذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عُدُوْلُهٗ يَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِيْفَ الْغَالِيْنَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ وَتَاوِيْلَ الْجَاهِلِيْنَ۔ (مشکوٰۃ ص ۳۶)

ہر آئندہ نسل میں سے اس علم کے حامل ایسے عادل لوگ ہوتے رہیں گے جو اس سے غلو کرنے والوں کی تحریف، باطل پرستوں کے غلط انتساب اور جاہلوں کی تاویل کو دور کرتے رہیں گے۔

نیز آپ کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَاْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا (حوالہ سابق)

اللہ جل شانہٗ ضرور اس امت کے لیے ہر سو سال پر ایسے شخص کو مبعوث فرماتے رہیں گے جو امت کے سامنے ان کا دین نکھار کر پیش کرے گا

اور دوسرا فرق یہ ہے کہ ادیان سابقہ کی حفاظت کی ذمہ داری علماء اور احبار پر ڈالی گئی تھی جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے:

اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ۔

ہم نے توریت نازل فرمائی تھی جس میں ہدایت اور روشنی تھی، انبیاء جو کہ اللہ کے فرمانبردار تھے اس کے موافق یہود کو حکم دیا کرتے تھے اور اہل اللہ اور علماء بھی اس وجہ سے کہ ان کو اس کتاب (تورات) کی نگہداشت کا حکم دیا گیا

(سورۂ مائدہ آیت ۴۴) تھا اور وہی اس کتاب پر گواہ بھی تھے۔

اس لیے جب تک علماء واحبار نے اپنی ذمہ داری محسوس کی، ادیان سابقہ محفوظ رہے۔ اور جب دنیا پرست علماء واحبار کا غلبہ ہوا تو اللہ کی کتاب میں تحریف ہوکر تمام ادیانِ سابقہ مسخ ہوگئے ــــــ اور دین اسلام کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے فضل وکرم سے خود لی ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ — بے شک ہم نے قرآن نازل کیا ہے۔ اور ہم ہی اس کے محافظ اور نگہبان ہیں۔ (سورۂ حجر آیت ۹)

اس لیے بحمداللہ اس کا تو اطمینان اور پورا یقین ہے کہ اہل باطل اس دین کے حسین چہرے کو مسخ کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے، اور قیامت تک یہ دین محمدی اپنی اصلی شکل وصورت میں باقی رہے گا البتہ ایسا ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہیگا کہ اہل باطل نئی نئی رسمیں اور بدعتیں ایجاد کرکے نہ صرف اپنی شقاوت میں اضافہ کریں گے بلکہ بہت سے جاہلوں کی گمراہی کا سبب بھی بنیں گے۔

رسوم وبدعات رائج ہونے کے اسباب

یہاں یہ بات جان لینی چاہیے کہ تمدن و معاشرت کا ایک فطری اصول ہے کہ جب مختلف تہذیبوں کا امتزاج ہوتا ہے تو غیر شعوری طور پر ایک تہذیب دوسری تہذیب کو متاثر کرتی ہے، جو قوم اپنے تہذیبی خصائص کے تحفظ کا اہتمام نہیں کرتی وہ اپنے بہت سے امتیازی اوصاف کھو بیٹھتی ہے۔ خصوصیت کے ساتھ جو تہذیب مفتوح ومغلوب ہو وہ فاتح اور غالب تہذیب کے سامنے سپر ڈال دیتی ہے۔ مسلمان جب تک غالب اور فاتح رہے اور ان میں اپنے تہذیبی خصائص کے تحفظ کی تب وتاب تھی، اس وقت تک وہ دوسری تہذیبوں پر اثر انداز ہوتے رہے، لیکن جب ان کی ایمانی حرارت ٹھنڈی ہوگئی، اور ان میں من حیث القوم اپنے خصائص کے تحفظ کا ولولہ نہ رہا، تو وہ خود دوسری تہذیبوں سے متاثر ہونے لگے ــــــ دور جدید میں مسلمانوں کا انگریزی تہذیب سے متاثر ہونا اس کی کافی شہادت ہے ــــــ اس اجنبی اثر پذیری کا نتیجہ بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ غیر اقوام کے رسوم ورواج کو دینی حیثیت دے دی جاتی ہے اور اس کے جواز واستحسان کے ثبوت پیش کیے جاتے ہیں، یہی راز ہے کہ ہر علاقہ کے

مسلمانوں میں الگ الگ رسوم وبدعات رائج ہیں۔ ہندوستان میں جو بدعات رائج ہیں وہ عرب علاقوں میں نہیں۔ اور مصروشام کی بہت سی بدعات ہندوستان میں رائج نہیں۔

ہندوستان میں اسلام بڑی تیزی سے پھیلا، مگر افسوس ہے کہ ان نومسلموں کی دینی تعلیم وتربیت کا خاطرخواہ اہتمام نہ ہوسکا۔ اس لیے جو لوگ ہندو مذہب چھوڑ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے وہ اپنے سابقہ رسم ورواج سے آزاد نہ ہوسکے، بلکہ ہندو معاشرہ سے شدید اختلاط کی بنا پر ان مسلمانوں میں بھی بہت سی ہندوانہ رسمیں در آئیں۔ چنانچہ شادی اور مرگ کے موقع پر ہندوستان کے مسلمانوں میں جو خلاف شرع رسمیں پائی جاتی ہیں، اور جن کو مردوں سے زیادہ عورتیں جانتی ہیں، وہ سب ہندو مذہب کے جراثیم ہیں۔ جیسا کہ ایک نومسلم عالم مولانا عبیداللہ سلفی نے "تحفۃ الہند" میں تحریر فرمایا ہے،

"میرا مقصد یہ نہیں کہ خدانخواستہ ہندوستانی مسلمانوں کی ساری چیزیں ہندوانہ ہیں اور نہ یہ مطلب ہے کہ سارے مسلمان ان میں مبتلا ہیں۔ بلکہ میری مراد ان رسوم وعادات سے ہے۔ جن کا ثبوت ہماری اسلامی شریعت میں نہیں۔ بلکہ ہندو معاشرہ میں ملتا ہے۔ بہت سے ایسے علاقے جہاں ہندوؤں کی اکثریت تھی مسلمان وہاں بہت قلیل تعداد میں تھے، اور ان کو اسلامی تعلیم وتربیت کا موقع میسر نہیں آتا تھا، ان کے نام تک ہندوانہ تھے، وہ سر میں چوٹی تک رکھتے تھے۔ ظاہر ہے جن لوگوں کی یہ حالت ہو وہ بے چارے ہندوانہ بدعات میں مبتلا نہ ہوتے تو اور کر بھی کیا سکتے تھے۔"[1]

علاوہ ازیں ہمارے اس ملکِ ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ واشاعت زیادہ تر صوفیاء کرام کے ذریعہ ہوئی ہے، جو اللہ کے بڑے مخلص بندے اور توحید کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے، یہاں کے جن لوگوں نے ان کی دعوت اور ان کی خداپرستانہ اور پاکبازانہ زندگی سے متاثر ہوکر اسلام قبول کرلیا تھا، شیطان نے ان کے بارے میں اندازہ کرلیا کہ وہ ان کو اسلام سے برگشتہ کرنے اور کھلے ارتداد میں مبتلا کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے گا۔ اس لیے اس نے ان میں گمراہی پھیلانے

---

[1] بحوالہ اختلاف امت اور صراط مستقیم صفحہ ۱۰۹، ۱۱۰۔

کے لیے وہ حربہ استعمال کیا جس کا وہ عیسائیوں اور دوسرے بعض طبقوں کو گمراہ کرنے میں کامیاب تجربہ کرچکا تھا۔ اس نے ان کے دل میں ڈالا کہ یہ بزرگانِ دین خدا کے لاڈلے ہیں۔ خدا نے ان کو بہت سے اختیارات سپرد کر دیئے ہیں اور یہ خود حاجت روا اور مشکل کشا ہیں۔ لہٰذا ان ہی سے اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگو، مصیبتوں اور پریشانیوں میں ان کے نام کا وظیفہ پڑھو، حاجتی بن کر ان کے مزاروں پر جاؤ، ان کی قبروں کا سجدہ کرو، نذریں اور منتیں مانو، اور ان کے نام کے مرغے بکرے قربان کرو، چادر گاگر اور پھول مالا چڑھاؤ، یہ تمہاری بگڑی بنادیں گے، اور ناؤ پار لگادیں گے۔ چنانچہ جن لوگوں کی دینی تعلیم و تربیت نہ ہوسکی تھی، اور اسلامی توحید کو انھوں نے پوری طرح نہیں سمجھا تھا انہوں نے اس کو بزرگوں کے ساتھ عقیدت و محبت کا تقاضا سمجھا، اور اس طرح ان کو بت پرستی کا "اچھا بدل" بھی مل گیا۔ جس کے وہ اور ان کے باپ دادا ہمیشہ سے عادی تھے ——— یہ ہے مسلمانوں میں رسوم و بدعات کے رواج کی اجمالی تاریخ اور قبر پرستی اور اولیا پرستی کے آغاز کی سرگزشت۔

دارالعلوم دیوبند کے قیام سے پہلے رسوم و بدعات کی اصلاح کے سلسلہ میں کام کرنے والے ممتاز حضرات

امت محمدیہ میں جب سے اس گمراہی کا آغاز ہوا، علماء امت اور مصلحین ملت نے اس کے خلاف قلمی اور زبانی جہاد شروع کیا، اور امت کو گمراہیوں سے نکالنے کے لیے بھرپور کوشش شروع فرمائی۔ ہمارے ملک میں جن اکابرینِ امت اور ہادیانِ ملت نے اللہ کی توفیق سے مشرکانہ خیالات و اعمال اور رسوم و بدعات سے مسلمانوں کو بچانے میں نیابت رسول کا حق ادا کیا۔ ان میں تین حضرات سرفہرست ہیں:

ایک امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی (متوفی ۱۰۳۴ھ)۔

دوسرے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ)۔

تیسرے شاہ ولی اللہ صاحب کے پوتے حضرت شاہ اسماعیل شہید رح (متوفی ۱۲۴۶ھ)۔

امام ربانی کے مکتوبات میں ایسے بہت سے مکتوبات ہیں جن میں توحید کی تشریح کی گئی ہے اور شرک کی جن اقسام و انواع میں مسلمان مبتلا تھے یا مبتلا ہونے کا امکان اور اندیشہ تھا ان کے

بارے میں تنبیہ کی ہے۔ دفتر سوم مکتوب ۴۱ میں شرک کی ان سب صورتوں پر خاص طور سے تفصیلی کلام فرمایا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رح کے تجدیدی کارناموں کے تقریباً ایک صدی بعد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا اصلاحی اور تجدیدی دور شروع ہوتا ہے، ان کی کتابوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے زمانہ میں بھی جاہل مسلمانوں میں شرک کی وبا عام تھی اس کو دیکھ کر ان کا دل تڑپتا تھا، آپ نے اس کا اظہار اپنی مختلف تصانیف میں کیا ہے، یہاں صرف دو حوالے پیش کیے جاتے ہیں۔

تفہیمات الٰہیہ میں ایک جگہ ارقام فرماتے ہیں:

وَمِنْ اعظم الآفات فِی زمانتا هذا عبادتهم لشیوخهم احیاءً ولقبورهم امواتاً والجهلة یقتدون بکفرة الهند فی افعالهم (ص ۶۳ ج ۱)

ہمارے اس زمانے کا سب سے بڑا روگ یہ ہے کہ جاہل لوگ پیروں کی زندگی میں عبادت کرتے ہیں اور مرنے کے بعد ان کی قبروں کو پوجتے ہیں، اور یہ جاہل مسلمان اپنے اعمال و افعال میں ہندوستان کے کافروں اور مشرکوں کی پیروی کرتے ہیں

اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ مجددانہ شان کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں کہ:

کُلُّ مَنْ ذَهَبَ الی بلدة اجمیر او الی قبر سالار مسعود او ماضاهاها لاجل حاجة یطلبها فانه اثم اثما اکبر من القتل والزنا لیس مثله الا مثل من کان یعبد الصنوعات او مثل من کان یعبد اللات والعزیٰ۔

(تفہیمات الٰہیہ ص ۲۵ ج ۲)

جو کوئی اجمیر (خواجہ معین الدین چشتی رح کے مزار پر) یا (بہرائچ) سالار مسعود غازی کی قبر پر یا اس کے مثل کسی اور مزار یا درگاہ پر اپنی کوئی حاجت طلب کرنے کے لیے جائے، تو اس نے اتنا بڑا گناہ کیا جو خون ناحق اور زنا سے بھی زیادہ بڑا ہے۔ اس شخص کا حال بالکل ایسا ہے جیسا ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں اور لات و عزیٰ کی پرستش کرنیوالے کا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رح کے اس پر جلال ارشاد سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان میں ان کے زمانہ کے جاہل مسلمانوں میں قبر پرستی اور اولیاء کے مزارات پر جاکے حاجت طلبی کی وبا اس درجہ کو پہنچ گئی تھی کہ شاہ صاحب جیسے حکیم و حلیم مصلح کی روح تڑپ اٹھی اور ان کے قلب کا غیظ اس طرح ان کی نوک قلم پر آگیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رح کا وصال ۱۱۷۶ھ میں ہوا ہے، اس کے تقریباً چالیس پچاس سال بعد ان کے پوتے شاہ اسماعیل شہید رح کی اصلاحی جد وجہد کا دور شروع ہوتا ہے، آپ نے بھی ہوش سنبھالا تو وہی منظر دیکھا جس نے ان کے دادا کی روح کو تڑپا دیا تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ خراب صورت حال تھی۔ آپ نے عوام کی اصلاح کے لیے ایک طرف مواعظ کا سلسلہ شروع کیا جن کا خاص موضوع توحید وسنت کی طرف دعوت دینا تھا تو دوسری طرف اردو زبان میں ایک مستقل کتاب "تقویت الایمان" تصنیف فرمائی۔ جس میں قبر پرستی وغیرہ شرک کی ان سب شکلوں اور قسموں پر جو جاہل مسلمانوں میں رائج تھیں۔ اپنے دادا شاہ ولی اللہ صاحب والے جلالی انداز میں، بلکہ اپنے جد اعلیٰ فاروق اعظم رض کے فاروقی انداز میں کلام کیا۔ اللہ ہی جانتے ہیں کہ اس کتاب کے ذریعہ اس کے کتنے بندے شرک کی تاریکیوں سے نکل کر توحید کے اجالے میں آئے اور بدعت کی تاریک راہوں میں بھٹکتے ہوئے انسانوں نے سنت کی صاف روشنی میں جنت کا راستہ اپنایا۔

تقویۃ الایمان کے خلاف پروپیگنڈہ

"تقویۃ الایمان" کی یہ خالص اسلامی توحید شاہ صاحب کے کچھ ہم عصر علماء کو ناگوار محسوس ہوئی اور اولیاء کی محبت میں غلو کرنے والوں نے محسوس کیا کہ جو شخص اس کتاب کو دیکھے گا وہ بدعات سے تائب ہو جائے گا، مگر ان کے پاس اس کا کوئی توڑ نہیں تھا اس لیے انہوں نے پینترا بدل کر حملہ کیا اور عوام میں خوب پروپیگنڈہ کیا "تقویۃ الایمان" کے مصنف نے اپنی اس کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء کرام کی شان میں سخت گستاخیاں کی ہیں۔ تاکہ عوام کتاب اور اس کے مصنف سے بدظن ہو کر اس سے استفادہ کرنا چھوڑ دیں۔ چنانچہ ہندوستان بھر کے اس وقت کے حامیانِ بدعت نے اس میں حصہ لیا۔ جن میں علماء بدایوں پیش پیش

تھے۔ ماہنامہ "فاران" کراچی کے فاضل ایڈیٹر جناب ماہر القادری صاحب بدایونی لکھتے ہیں کہ :

"اب میں ان علماء کے نام درج کرتا ہوں جن میں اکثر و بیشتر حضرت اسماعیل شہیدؒ کے مسلک کے موافق نہ تھے، اور بعض کھل کر مخالف تھے۔ بدایوں، میں مفتی ابوالحسن عثمانی، مولوی فضل رسول عثمانی، مولوی علی بخش صدر الصدور، مدراس میں مولوی ارتضیٰ گوپامئوی۔ ناسک میں خان بہادر مولوی عبدالفتاح مفتی، کلکتہ میں قاضی نجم الدین کاکوروی۔ مراد آباد میں مولوی عبدالقادر چیف۔ دہلی میں مفتی صدرالدین آزردہ، مولانا فضل امام خیرآبادی، مولانا فضل حق خیرآبادی، منشی فضل عظیم خیرآبادی (فرزند اکبر مولانا فضل امام خیرآبادی) مولوی محمد صالح خیرآبادی (برادر مولانا فضل امام خیرآبادی)۔

یہ تمام حضرات ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانہ میں منصب افتاء و قضا اور سررشتہ داری اور صدر الصدور کے عہدوں پر فائز تھے"[1]

پھر چودھویں صدی ہجری کے شروع میں پروپیگنڈہ کی اس مہم کا جھنڈا بریلی کے مولوی احمد رضا خاں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ انھوں نے داعی توحید و سنت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے خلاف کتابوں کے انبار لگا دیئے، جن میں ستر ستر وجوہ سے آپ کو کافر ثابت کیا، اور اللہ و رسول کی شان میں گستاخی کرنے کا مجرم قرار دیا۔ تفصیل کے لیے دیکھئے، خاں صاحب کے رسالے "الکوکبۃ الشہابیہ" اور "سل السیوف الہندیۃ" وغیرہ۔

اکابر دیوبند کے خلاف پروپیگنڈہ

پھر یہی حربہ انہوں نے خاندان ولی اللہی کے علمی و روحانی وارثین اور انکے خاص مشن دعوت توحید و سنت کے علمبردار اکابر علمائے دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رح، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رح، حضرت مولانا اشرف علی

---

[1] بریلویت ماہر القادری کی نظر میں ص۱۷۔

تھانوی رح وغیرہ کے خلاف استعمال کیا۔ ان حضرات کو خاں صاحب نے ختم نبوت کا منکر، اللہ تعالیٰ کا مکذب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرنے والا قرار دے کر فتوی لگایا کہ یہ سب کافر، مرتد، اور واجب القتل ہیں، اور جو کوئی ان کے کافر و مرتد ہونے میں شبہ کرے وہ بھی کافر و مرتد اور واجب القتل ہے [1]

پروپیگنڈے کا مقصد خاں صاحب کا بزرگانِ دین کو کافر و مرتد کہنا اور اس کا پروپیگنڈہ کرنا بعینہ ایسا ہے جیسا روافض اور شیعہ نعوذ باللہ صحابہ کرام کو کافر و مرتد کہتے ہیں اور شیخین کی شان میں گستاخی کرتے ہیں ——— جس کا مقصد عوام کو ان اکابرین سے بدظن کر کے اپنی طرف متوجہ کرنا ہے تاکہ لوگ ان حضرات کی بات پر کان نہ دھریں اور خاں صاحب کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنسے رہیں۔ ماہنامہ "فاران" کراچی کے فاضل ایڈیٹر جناب ماہر القادری بدایونی اپنی سرگزشت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"راقم الحروف جس گاؤں میں پیدا ہوا اور پلا بڑھا ہے وہاں صدفی صد مسلمان بریلوی عقائد رکھتے تھے، ہم بچوں کو بچپن ہی سے یہ بتایا گیا تھا کہ وہابی درود شریف نہیں پڑھتے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے کد اور عناد رکھتے ہیں۔ ایسے افترا پردازوں اور جھوٹی افواہیں پھیلانے والوں کا نہ جانے کیا حشر ہوگا؟ ——— اور دیوبندیوں کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا کہ یہ لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تنقیص کرتے ہیں اور یہ گلابی وہابی ہیں۔ اور وہابی ہوں یا دیوبندی یہ دونوں گروہ گمراہ ہیں، بلکہ کافر ہیں۔ بریلوی خیال کے علماء کی زبانی یہ باتیں سن سن کر راقم الحروف کے دل میں اہل حدیث اور دیوبندیوں کے خلاف شدید نفرت بیٹھ گئی تھی۔ میں کسی کتاب پر علماء دیوبند کے نام تعظیمی القاب کے ساتھ لکھا ہوا دیکھتا تو ان الفاظ کو کاٹ کر اپنے قلم سے گالیاں لکھ دیتا" [2]

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے، تمہید الایمان اور حسام الحرمین وغیرہ

[2] بریلویت ماہر القادری کی نظر میں ص ۶۱-۶۲۔

یہ تھا پروپیگنڈے کا اثر، جس سے ماہر القادری صاحب جیسے حق کے متلاشی تو چھٹکارا پا سکتے تھے لیکن ان پڑھ اور دین سے ناواقف لوگوں کا پروپیگنڈے کے دلدل سے نکلنا مشکل ہے۔

خاں صاحب کے کچھ حالات

خاں صاحب سرمہ اور فرنیچر کے مشہور شہر بریلی میں ۱۴ر جون ۱۸۵۶ء مطابق ۱۰ر شوال ۱۲۷۲ھ میں پیدا ہوئے۔ پیدائشی نام محمد رکھا گیا، ان کی ماں نے ان کا نام امن میاں، باپ نے احمد میاں اور دادا نے احمد رضا رکھا، اور خاں صاحب نے خود اپنا نام "عبد المصطفیٰ" رکھا۔ فتاویٰ رضویہ کی جلد یازدہم کے مقدمہ میں ہے۔

آپ کی ولادت باسعادت ظہر کے وقت بروز شنبہ ۱۰ر شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ر جون ۱۸۵۶ء محلہ جسولی شہر بریلی یوپی (انڈیا) میں ہوئی۔ پیدائشی نام محمد، تاریخی نام المختار (۱۲۷۲ھ) اور عرف احمد رضا قرار پایا، اور خود اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اپنے نام کے ساتھ عبد المصطفیٰ لگا کر غلامیٔ بارگاہ مصطفیٰ کا نشان قائم کیا۔[۲]

اور ماہر القادری صاحب "زلزلہ" نامی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ،

"مولانا بریلوی کی شدت مزاج کا وہ عالم تھا کہ وہابیوں اور دیوبندیوں کو چڑانے کے لیے اپنا نام "عبد المصطفیٰ" رکھا، حالاں کہ کسی صحابی، تابعی، تبع تابعی، تفسیر و حدیث اور فقہ کے کسی امام کا نام عبد المصطفیٰ یا عبد النبیؐ، یا عبد الرسول سننے یا پڑھنے میں نہیں آیا۔ عقیدت کا یہی وہ غلو ہے جسے دین میں ناپسندیدہ سمجھا گیا ہے۔"[۳]

اور ان کے معتقدین ان کو "اعلیٰ حضرت" سے یاد کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ انکے معتقدین ان کو فاضل بریلوی، امام اہل سنت اور مجدد مأۃ حاضرہ وغیرہ بھی کہتے ہیں۔

خاں صاحب جسمانی اعتبار سے نحیف اور کمزور اور بہت سے امراض کا شکار تھے۔[۴]

---

[۱] اعلیٰ حضرت بریلوی ص۱ مصنفہ نسیم بستوی، [۲] حیات امام اہل سنت، فتاویٰ رضویہ کی جلد یازدہم کا مقدمہ ص۲، [۳] بریلویت ماہر القادری کی نظر میں ص۱۱،

[۴] تفصیل کے لیے دیکھئے اعلیٰ حضرت بریلوی ص۲۰، اور حیات اعلیٰ حضرت ص۳۵۔

خاں صاحب کا رنگ نہایت کالا تھا' اسی لیے حضرت مولانا چاند پوری رد نے خاں صاحب کی رد میں ایک کتابچہ لکھا ہے جس کا نام ہے "الطین اللازب علی الاسود الکاذب" (چپکنے والی مٹی کالے کذاب پر) خاں صاحب کے بھتیجے حسنین رضا صاحب کے بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ' اعلےٰ حضرت آغاز عمر میں نہایت گندمی رنگ کے مالک تھے۔ لیکن جدوجہد نے آپ کا رنگ تبدیل کر دیا تھا اور ان کے چہرے کی رونق کو ختم کر دیا تھا[1]

خاں صاحب کا گھرانہ علمی تھا' ان کے والد نقی علی اور دادا رضا علی دونوں عالم تھے۔ خاں صاحب نے بھی اپنے باپ دادا کی پیروی کرتے ہوئے ابتدائی تعلیم مرزا غلام احمد قادیانی کے بھائی مرزا غلام قادر بیگ سے حاصل کی اور اکثر علوم اپنے والد نقی علی خاں سے پڑھے۔ خاں صاحب گھر کے خوش حال تھے اس لیے فراغت کے بعد تصنیف و تالیف کے میدان میں قدم رکھا۔

خاں صاحب کی تیز مزاجی اور دشنام طرازی

خاں صاحب کے مزاج میں انتہائی شدت اور قلم میں بے باکی اور دشنام طرازی تھی' ماہر القادری صاحب "زلزلہ" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"علماء دیوبند کے ان عقائد سے جو کتاب و سنت کے عین مطابق ہیں۔ بدایوں اور بریلی کے علماء نے شدید اختلاف کیا' مولانا احمد رضا خاں بریلوی تو ساری عمر علماء دیوبند کی تضحیک و تکفیر ہی کا کام انجام دیتے رہے' ان مسائل میں ان کی شدت اور قلم کے بے باک اور دشنام طراز ہونے کا یہ عالم رہا ہے کہ "وہابی' قادیانی' دیوبندی' نیچری' چکڑالوی جملہ مرتدین ہیں کہ انکے مرد یا عورت کا تمام جہاں میں جس سے نکاح ہوگا' مسلم ہو یا کافر' اصلی مرتد انسان ہو یا حیوان محض باطل اور زنا خالص ہوگا اور اولاد ولد الزنا[2] اور فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں" نامی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے ماہر القادری جا

---

[1] اعلےٰ حضرت بریلوی ص۲ بحوالہ البریلویۃ۔

[2] ملفوظات حصہ دوم ص۱۰۰ (بریلویت ماہر القادری کی نظر میں ص۱۰۹)۔

ارقام فرماتے ہیں کہ :

"راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے مزاج کی شدت سنجیدگی کی حدود کی پابند نہ تھی، بریلوی مسلک مولانا احمد رضا خاں صاحب کے تکفیر کے فتوؤں کی وجہ سے مشہور ہو گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں ان مسائل وعقائد میں علماء بدایوں کے مقلد اور خوشہ چین ہیں۔ مولانا فضل رسول بدایونی نے مولانا فاضل بریلوی کے پیدا ہونے سے پہلے "وہابیہ" کی مخالفت کی تھی۔ اسی عقیدت اور احترام کی بنا پر مولانا بریلوی نے مولانا فضل رسول بدایونی کے فرزند مولانا محب رسول عبدالقادر بدایونی کی شان میں قصیدہ لکھا ہے، مگر "اذان ثانی" کے مسئلہ پر جب علماء بدایوں نے مولانا احمد رضا خاں صاحب سے اختلاف کیا، تو بریلی سے اس قدر سخت اور کرخت اور اہانت آمیز جوابات دیئے گئے کہ علماء بدایوں کو سرکاری عدالت میں "ازالہ حیثیت عرفی" کا دعویٰ دائر کرنا پڑا۔ نواب حامد علی خاں والی رام پور نے بیچ میں پڑکر اس مقدمہ کو ختم کرایا

مولانا فاضل بریلوی اور ان کے معتقد علماء کا خود اپنے مسلک کے علماء کے ساتھ یہ سلوک ہے تو پھر بہ دیگراں چہ می رسد"!! [1]

خاں صاحب کی تکفیری مہم کی مفصل تاریخ

خاں صاحب کا محبوب مشغلہ علمائے امت کی تکفیر تھا جس نے چودھویں صدی ہجری میں پورے ہندوستان میں ——— جو پہلے ایک ملک تھا اور اب تین حصوں میں بٹ گیا ہے۔ اور جس میں دنیا کے سارے ملکوں سے زیادہ مسلمان آباد ہیں ——— وسیع پیمانہ پر اختلاف وافتراق اور جنگ وجدال کی آگ بھڑکائی تھی۔ اس لیے خاں صاحب کے اس اہم کارنامہ کی مفصل تاریخ پیش کی جاتی ہے۔

مولانا محمد عارف صاحب سنبھلی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء تحریر فرماتے ہیں کہ :

---

[1] بریلویت ماہر القادری کی نظر میں صـ۴۲ ۔

"جہاں تک ہمارا علم اور مطالعہ ہے وسیع پیمانہ پر مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی تکفیری مہم کا جوش وخروش اس وقت شروع ہوا جب ۱۳۱۱ھ میں کانپور کے ایک جلسہ میں ـــــــ جس کے خالص داعی اور محرک حضرت مولانا محمد علی مونگیری رح تھے۔ اور جس میں ہندوستان بھر کے مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنیوالے اکابر علماء اور مشاہیر شریک تھے۔ اور خود مولوی احمد رضا خاں صاحب بھی شریک تھے ـــــــ ندوۃ العلماء کے نام سے علماء ہند کی ایک وسیع المقاصد انجمن یا مجلس کے قیام کا فیصلہ کیا گیا"

انجمن ندوۃ العلماء کے خلاف خاں صاحب کی جنگ

مولوی احمد رضا خاں صاحب کسی بات سے ناراض ہو کر جلسہ کے اختتام سے پہلے ہی واپس ہو گئے اور ندوۃ العلماء کے خلاف اشتہار بازی اور رسالہ بازی کی ایک طوفانی مہم شروع کر دی۔ خاں صاحب کے ایک خلیفہ مولوی محمود جان صاحب کاٹھیاواڑی نے ان کی ایک منظوم سوانح عمری "ذکر رضا" کے نام سے لکھی ہے اس میں ان کے سب سے بڑے اور درخشاں کارنامہ کی حیثیت سے اس بات کو ذکر کیا ہے کہ:

"اعلیٰحضرت نے ندوۃ اور ندوۃ والوں کے رد میں بے گنتی اشتہار کے علاوہ سو ۱۰۰ کے قریب رسالے لکھے، اور ندوہ کا نام ونشان مٹا دیا"[1]

مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ندوۃ العلماء کے خلاف یہ تکفیری مہم ۱۳۱۱ھ سے چلائی شروع کی تھی، برسوں تک پورے زور وشور سے یہ گولہ باری ہوتی رہی، یہاں تک کہ حرمین شریفین کے علماء سے بھی ان کے کفر کا فتویٰ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے حاصل کیا اور "فتاوی الحرمین برجفت ندوۃ المین" کے نام سے چھپوا کر ہزاروں کی تعداد میں شائع کیا۔

ندوہ والوں کے پاس اگرچہ اصحاب علم وقلم کی فوج تھی۔ لیکن ان بریلوی خاں صاحب کے تکفیری اشتہاروں اور رسالوں کی نہ تھمنے والی بارش کو دیکھ کر انھیں بالآخر یہ فیصلہ کرنا

---

[1] ذکر رضا ص ۱۱۔

پڑا، کہ خیریت اسی میں ہے کہ ان کی باتوں کا کوئی نوٹس نہ لو اور کوئی جواب نہ دو، بس اپنے کام میں لگے رہو ——— ۱۔

ندوۃ العلماء کے بعد اکابر علماء دیوبند پر نظر عنایت

اکابر علمائے دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رح حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رح اور ان کے رفقاء انگریزی حکومت کے خلاف ۱۸۵۷ء کی جنگ میں شاملی کے محاذ پر ناکام ہوجانے اور پورے ہندوستان پر انگریزوں کا پورا تسلط قائم ہوجانے کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچے، بلکہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب میں ڈالا کہ اب اس ملک میں اللہ کے مقدس دین کی خدمت اور حفاظت کا خاص ذریعہ ایسے مدارس ہوں گے جن میں مخصوص طرز کی دینی تعلیم وتربیت سے وہ افراد تیار کیے جائیں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی امانت علم و ہدایت کے وارث وامین ہوں۔ اور دین کو اپنے جان ومال اور ہر چیز سے زیادہ عزیز سمجھیں اور اپنی زندگیاں اسی کے لیے وقف کر دیں۔

اس منصوبے کے مطابق ان حضرات نے سب سے پہلے ضلع سہارنپور کے قصبہ دیوبند میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا، اللہ نے اس میں برکت دی۔ اور چند ہی برسوں میں اس شجرۂ طیبہ کے یہ ثمرات دیکھنے میں آئے کہ حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی شیخ الہند، حضرت مولانا احمد حسن امروہی اور بعد کے طبقات میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی حکیم الامت، حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری اور حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی جیسے حضرات پیدا ہوئے جو علم نبوت کے حامل ووارث ہونے کے ساتھ امت کیلیے ائمہ رشد وہدایت اور ملت اسلامیہ ہندیہ کے دین وایمان کے پاسبان بھی تھے۔

دارالعلوم دیوبند میں یہ ٹھوس تعلیمی وتربیتی اور تعمیری کام اخلاص وللہیت اور پوری خاموشی کے ساتھ ہوتا رہا۔ اس کے فضلا، ملک میں پھیلتے رہے جو جہاں جاکر بیٹھ گیا اپنے اخلاص وللہیت اور امت کی بے لوث دینی خدمت کی وجہ سے اس خطہ کے مسلمانوں کا مرجع بن گیا۔ پھر اسی مقصد کیلیے اسی طرز پر مختلف شہروں میں اور بھی متعدد مدرسے ان حضرات نے قائم کیے، یہ سب دارالعلوم دیوبند ہی سے نکلی ہوئی نہریں اور اسی شجرہ طیبہ کی شاخیں تھیں۔ اور یہ امت مسلمہ ہندیہ کے دینی قلعے اور اسلامی شریعت کی چھاؤنیاں تھیں

ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ دارالعلوم دیوبند اور اس کے اکابر کو ملک میں علم و دین کے لحاظ سے ایک خاص مرجعیت اور مرکزیت حاصل ہوگئی، اور یہاں کے باخبر اور باشعور مسلمان دارالعلوم دیوبند کو ہندوستان میں دینِ محمدی کا مرکزی قلعہ سمجھنے لگے۔

ٹھیک اس وقت جب کہ دارالعلوم دیوبند اور اکابر علمائے دیوبند کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقبولیت عامہ کا یہ مقام حاصل ہوا، مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ——— جو تقریباً دس سال سے ندوۃ العلماء کے پیچھے پڑے ہوئے تھے، اور اپنے نزدیک ندوہ کی انجمن کو درہم برہم کر کے اس مہم کو سر کر چکے تھے ——— اپنی نظرِ عنایت ان اکابر علماء دیوبند کی طرف پھیر دی۔ ۱۳۲۰ھ میں ان کی کتاب "المعتمد المستند" چھپی، جس میں پہلی دفعہ اکابر جماعت دیوبند حضرت مولانا نانوتوی رح، حضرت گنگوہی وغیرہ کی قطعی تکفیر کی۔ اور لکھا کہ، "یہ ایسے کافر اکفر ہیں کہ جو کوئی ان کے کفر میں شک و شبہ کرے وہ بھی قطعی کافر اور جہنمی ہے"۔

صرف نظر کا فیصلہ کافی مدت تک تو اکابر دارالعلوم کو خاں صاحب کی اس کتاب اور اس میں کیے گیے تکفیری حملے کی اطلاع ہی نہیں ہوئی پھر غالباً ۱۳۲۳ھ میں مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری رح کو جو اس وقت دارالعلوم کے جوان العمر فاضل تھے، کہیں سے اس کا پتہ چلا، انھوں نے کسی طرح کتاب حاصل کی اور اپنے استاذ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب رح کی خدمت میں عرض کیا کہ مولوی احمد رضا خاں نے اب ہم لوگوں کی طرف رخ کیا ہے مجھے جواب دینے کی اجازت دی جائے، میں ان سے نمٹ لوں گا۔ جب مولانا مرتضیٰ حسن صاحب نے زیادہ اصرار کیا تو شیخ الہند ان کو ساتھ لے کر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح کی خدمت میں حاضر ہوئے جو جماعت دیوبند کے مقتدا اور دارالعلوم کے سرپرست تھے۔ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب نے وہی بات حضرت گنگوہی رح کی خدمت میں عرض کی۔ حضرت نے فرمایا کہ، ارے بھئی! تم کہاں تک اس شخص کی باتوں کا جواب دو گے، اور کہاں تک کتابیں لکھو گے۔ وہ تو روز روز نئے الزام گھڑے گا اور کتابوں پر کتابیں لکھے گا، اور اشتہاروں پر اشتہار چھاپے گا، اس کو دنیا میں بس یہی کام ہے، شاید یہی اللہ نے اس کیلیے مقدر کر دیا ہے۔ ندوہ والوں کے ساتھ جو کچھ اس نے کیا ہے وہ سامنے ہے، اس لیے میری رائے تو یہی ہے کہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو، اور دینی خدمت

کے لیے اپنے کام میں لگے رہو، اپنی آخرت کی فکر کرو ——— بہر حال اس وقت یہی ملے پایا کہ خاں صاحب کی ان الزام تراشیوں کا کوئی جواب نہ دیا جائے۔ اس وقت تک مولوی احمد رضا خاں کے اس فتنہ کا عام مسلمانوں پر کوئی اثر بھی نہیں پڑا تھا بلکہ کوئی خاص چرچا بھی نہیں ہوا تھا کیوں کہ یہ کتاب "المعتمد المستند" عربی میں تھی۔

خاں صاحب کی فریب کاری اور "حسام الحرمین" کا فتنہ

غالباً اپنے اس تکفیری فتوے کی بے اثری دیکھ کر خاں صاحب نے ۱۳۲۳ھ کے آخر میں حرمین شریفین کا سفر کیا اور اکابر علمائے دیوبند کی تکفیر کا ایک فتویٰ مرتب کر کے وہاں کے علماء کرام اور مفتیان عظام کی خدمت میں پیش کیا اور نہایت مکارانہ اور پُر فریب انداز میں ان حضرات سے فریاد کی کہ ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں پر بڑا سخت وقت آگیا ہے وہاں ارتداد اور زندقہ کی آندھیاں چل رہی ہیں۔ کچھ لوگ مسلمانوں ہی میں جن کو عوام علماء اور مشائخ بھی سمجھتے ہیں۔ ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو نہایت خبیث قسم کے کافرانہ عقیدے رکھتے ہیں۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عالی میں گستاخیاں کرتے ہیں عقیدہ ختم نبوت کے منکر ہیں، اللہ تعالیٰ کو اور اس کے کلام کو معاذ اللہ جھوٹا کہتے ہیں اور لوگ ان کو عالم مولوی سمجھ کر ان کی باتوں کو قبول کر رہے ہیں، ہم عزباء اور ضعفاء سے جہاں تک ہو سکتا ہے ہم اس فتنہ کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ لیکن ہمارے ملک میں اس فتنہ نے طوفانی آندھی اور سیلاب کی شکل اختیار کر لی ہے۔ آپ حضرات یعنی حرمین شریفین کے علمائے کرام اور مفتیانِ عظام کی مدد کے بغیر اس فتنے کو روکنے میں ہم کامیاب نہیں ہو سکتے، آپ حضرات اللہ کے مقدس شہر مکہ مکرمہ کے اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاک شہر مدینہ منورہ کے رہنے والے ہیں، ہندوستانی مسلمانوں کے قلوب میں آپ کی خاص عظمت اور وقعت ہے۔ اگر آپ حضرات ان مرتدین کی تکفیر کے اس فتوے کی تصدیق فرما دیں تو ہمارے ملک کے عام مسلمان اس فتنے سے محفوظ ہو جائیں گے ورنہ یہ فتنہ ایسا شدید اور طوفانی ہے کہ ان کا ایمان پر قائم اور ثابت رہنا سخت مشکل ہے ؎

ہزار کافروں کے مارنے سے زیادہ ثواب ہے۔ معاذ اللہ۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

اکابر علماء دیوبند کا مدافعت اور جواب کا فیصلہ

یہ واقعہ ۱۳۲۵ھ کا ہے، میں نے اپنے بعض اکابر سے سنا ہے کہ مولوی احمد رضا خاں کی اس مکارانہ چال نے اور بے پناہ پروپیگنڈوں نے ہندوستانی مسلمانوں میں ایک اضطراب پیدا کر دیا اور بہت سے وہ لوگ جو مولوی احمد رضا خاں کی بدنام زمانہ فتوے بازی سے بالکل اثر نہیں لیتے تھے۔ علماء حرمین کے نام سے اس فتنے میں مبتلا ہو گیے اور حالات ایسے ہو گیے کہ خاموشی اور صرف نظر کی کوئی گنجائش نہیں رہی اور شرعاً یہ ضروری ہو گیا کہ اس افترا پردازی کی تردید کی جائے۔ اور اللہ کے بندوں کو اس فتنے میں مبتلا ہونے سے بچایا جائے۔

اس فتوے میں جن چار بزرگوں کی کتابوں اور تحریروں پر کفر کا حکم لگایا گیا تھا ان میں سے صرف دو اس وقت بقید حیات تھے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رح۔ ان دو بزرگوں نے اسی زمانہ میں اپنے اپنے بیانات دیئے جن میں صراحت کے ساتھ لکھا کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے "حسام الحرمین" میں ہم لوگوں کی طرف جو عقائد اور جو مضامین منسوب کیے ہیں وہ ان کا ہم پر محض افتراء اور بہتان ہے، ایسے عقیدے رکھنے والوں کو ہم خود خارج از اسلام سمجھتے ہیں ——— ان بزرگوں کے یہ بیانات اسی زمانہ میں مختلف رسالوں میں شائع ہوئے تھے بلکہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ کا بیان تو "بسط البنان" کے نام سے ایک مستقل رسالہ کی شکل میں بھی شائع ہوا تھا۔

اسی زمانہ میں یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ خاں صاحب اپنے تکفیری فتوے پر حرمین شریفین کے علماء کی تصدیق حاصل کر کے جب ہندوستان لوٹے تو حرمین شریفین کے بعض علماء کو معلوم ہوا کہ اُس ہندوستانی مولوی (احمد رضا خاں) نے جس تکفیری فتوے پر ہم سے تصدیق کرائی ہے اس میں دوسرے فریق کے عقائد کے بارے میں غلط بیانی کی گئی ہے۔ اِن لوگوں کے عقیدے ایسے نہیں ہیں۔ اس پر وہاں کے بعض علماء کرام نے خود علماء دیوبند

کی طرف رجوع کر کے معاملہ کی تحقیق کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ مولوی احمد رضا خاں نے اپنے فتوے میں اکابر علماء دیوبند کی طرف جو عقیدے منسوب کئے تھے اور اس کے سوا اور بہت سی باتیں جو ان کے بارے میں زبانی ان حضرات سے کہی تھیں، ان سب امور سے متعلق ان حضرات نے سوالات لکھ کر علماء دیوبند سے ان کا جواب چاہا۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے ان کا مفصل جواب تحریر فرمایا۔ اور وہ جواب حرمین شریفین کے علماء کرام کے پاس بھیجا گیا ان تمام حضرات نے ان جوابات پر اطمینان ظاہر کیا اور لکھا کہ یہی عقیدے اہل سنت والجماعت کے ہیں اور ان میں کوئی بات بھی مسلک اہل سنت والجماعت کے خلاف نہیں ہے۔

مفتیان مکہ

یہ سوالات وجوابات ہندوستان اور حرمین شریفین کے علماء کرام کی تصدیقات کے ساتھ اسی زمانہ میں اردو ترجمہ کیساتھ کتابی صورت میں "المُهَنَّد عَلَى المُفَنَّد" معروف بہ "التصدیقات لدفع التلبیسات" کے نام سے شائع ہو گئے تھے۔

الحمد للہ! ان چیزوں کی اشاعت سے وہ فتنہ جو "حسام الحرمین" کی وجہ سے ہندوستان میں برپا ہوا تھا بڑی حد تک فرو ہو گیا۔ پھر اسی دور میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رح اور حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری نے "حسام الحرمین" کے مفصل جوابات بھی لکھے جن میں پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ دکھلایا کہ خان صاحب نے "حسام الحرمین" میں اکابر علماء دیوبند کی طرف جن عقیدوں کو منسوب کیا ہے۔ ان کی حقیقت جعل اور فریب کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ ان رسالوں نے معاملہ کو اور بھی زیادہ منقح کر دیا۔

فرنگی محل اور بدایونی علماء کی باری

پھر پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء کے بعد جب مقاماتِ مقدسہ پر یورپ کی اتحادی طاقتوں کا قبضہ ہو گیا۔ اور خلافت اسلامیہ نرغہ میں آگئی اور ہندوستان میں تحریک خلافت اٹھی اور یہاں کے نوے فیصد سے زیادہ علماء اپنے مسلکی اختلافات کو نظر انداز کر کے مقامات مقدسہ اور خلافت اسلامیہ کی حفاظت کے لیے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے یہاں تک کہ وہ علماء بدایوں بھی اس قافلہ میں شریک ہو گئے جو اب تک مولوی احمد رضا خاں کی تکفیری مہم میں ان کے پورے ہم نوا رہے تھے۔ تو مولوی احمد رضا خاں نے تحریک خلافت میں

شریک ہونے والے ان تمام علماء کا نام "فرقہ گاندھویہ" رکھا، اور اپنی عادت کے مطابق ان کے خلاف رسالوں اور اشتہاروں کی جنگ شروع کر دی اور اس جنگ میں اپنا خاص نشانہ حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی لکھنوی اور علماء بدایوں کو بنایا۔

خاں صاحب کے بعد ان کی ذریت کا رویہ

خاں صاحب کا انتقال تو تحریک خلافت کے دور ۱۳۴۰ھ میں ہوگیا لیکن وہ اپنے بعد اپنے اُخلاف کی ایک خاص ٹولی چھوڑ گیے جس نے ان کے اس تکفیری کاروبار کو اسی طرح جاری رکھا۔ اگر کوئی صاحب اس رضاخانی بریلوی تکفیری فتنہ کے حدود اربعہ کو جاننا چاہیں تو اس کے لیے ان کو اس سلسلہ کی صرف ایک کتاب "تجانب اہل السنۃ عن اھل الفتنۃ" کا مطالعہ کافی ہوگا ——— یہ کتاب ہمارے نزدیک خاں صاحب کے تکفیری مشن کا پورا آئینہ اور بریلوی فرقہ کا صحیفۂ جامعہ ہے [1]

خاں صاحب کے زمانہ میں ہندوستان کے حالات اور خاں صاحب کی انگریز دوستی

پورے ہندوستان پر انگریزوں کا مکمل قبضہ تو پہلے ہی ہو چکا تھا، مگر ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں اور ہندوؤں نے مل کر آزادی وطن کیلیے جو آخری کوشش کی تھی وہ بھی ناکام ہو چکی تھی، لال قلعہ پر اسلامی پرچم کے بجائے یونین جیک لہرا رہا تھا، ایک ایک کرکے ہر اس شخص کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، یا جلاوطن کر دیا گیا تھا جس نے آزادی وطن کے لیے تھوڑی بہت کوشش کی تھی، سیکڑوں علماء ہیں، جنھوں نے دار و رسن کی مظلومانہ موت کو لبیک کہا اور جام شہادت نوش فرما کر ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیے تو ہندوستان کے طول و عرض پر عیسیٰ مسیح کے مذہب کا جھنڈا لہرانے کے شوق میں عیسائی پادری سانپ بچھو کی طرح ظلمت کدہ ہند کے چپہ چپہ میں رینگنے لگے تھے، ۱۸۵۷ء میں "لارڈ مین گلشن" ممبر پارلیمنٹ برطانیہ

---

[1] ضمیمہ بریلوی فتنہ کا نیا روپ صـ۲۱۲ تا صـ۲۲۳۔

نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ :

" خدا نے ہمیں یہ دن دکھایا ہے کہ سلطنت ہندوستان انگلستان کے زیر نگین ہے تاکہ عیسیٰ مسیح کی فتح کا جھنڈا ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک لہرائے۔ ہر شخص کو اپنی تمام تر قوت تمام ہندوستان کو عیسائی بنانے کے عظیم الشان کار کی تکمیل میں صرف کرنی چاہیئے اور اس میں کسی طرح تساہل نہیں کرنا چاہیئے۔"[1]

یہ تھے ہندوستان کے حالات۔ ان حالات میں خاں صاحب بریلوی " اعلام الاعلام بأن ہندوستان دارالاسلام" نامی کتابچہ لکھ کر اور ہزاروں کی تعداد میں شائع کر کے ہندوستان کو دارالاسلام بنانے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے خاں صاحب خود اس کتابچہ کے صـ۲ پر لکھتے ہیں کہ :

" ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ بلکہ علما، ثلثہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے مذہب پر ہندوستان دارالاسلام ہے، ہرگز دارالحرب نہیں"۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ ایک طرف جابر برطانیہ کے ساتھ جہاد کرنے والوں اور اس کے شدید ترین مخالفین کی بلا وجہ تکفیر کی جارہی ہے تو دوسری طرف اس وقت کے ہندوستان کو جس پر حکومت برطانیہ کا تسلط تھا جو اسلام کے ایک ایک حلقہ کو توڑنے کے درپے تھی۔ دارالاسلام ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی جارہی ہے، ہر سمجھ دار آدمی اس سے بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ اگر یہ انگریزوں کے اشارہ پر نہیں ہو رہا تھا تو کیا یہ انگریزوں کی دوستی سے کم تر کوئی چیز تھی ؟

خاں صاحب کا وصال

مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء دو بج کر اڑتیس منٹ پر دارالعمل سے کوچ کر کے دارالجزا میں پہنچ گئے ——— اور شہر بریلی میں

---

[1] مقامع الحدید صـ۵ ۔

مدفون ہوئے۔[1]

خاں صاحب کی تصانیف کا تعارف

اس میں کوئی شک نہیں کہ خاں صاحب کثیر التصانیف اور بڑے لکھاڑ قسم کے آدمی تھے مگر رضا خانی خاں صاحب کی تصانیف کی جتنی تعداد بیان کرتے ہیں وہ مبالغہ سے خالی نہیں ہے۔ چنانچہ آج تک نہ کسی سوانح نگار نے خاں صاحب کی جملہ تصانیف کا مکمل تعارف پیش کیا ہے، نہ خاں صاحب کی جملہ تصانیف جن کا سوانح نگار تذکرہ کرتے ہیں طبع ہوئی ہیں۔ اس لیے ذیل میں خاں صاحب کی طبع شدہ مشہور تصانیف کا مختصر تعارف پیش کیا جارہا ہے:

۱۔ العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ: یہ خاں صاحب کے دارالافتاء سے صادر ہونے والے فتاویٰ اور مسائل کا مجموعہ ہے، جو کئی ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اور یہ خاں صاحب کا سب سے بڑا تصنیفی کارنامہ ہے۔

۲۔ کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن: یہ خاں صاحب کا ترجمہ کلام پاک ہے، جو عام طور پر دستیاب ہے اور اس کے حاشیہ پر مولوی نعیم الدین مرادآبادی کی تفسیر "خزائن العرفان فی تفسیر القرآن" ہے۔

۳۔ احکام شریعت: اس میں مختلف مسائل ہیں اور تین حصوں پر مشتمل ہے۔

۴۔ عرفان شریعت: اس میں بھی مختلف مسائل ہیں اور چند حصوں پر مشتمل ہے۔

۵۔ فتاوی افریقہ: یہ فتاوی کا مجموعہ ہے۔ اور اس کا پورا نام "السنیۃ الانیقۃ فی فتاوی افریقہ" ہے۔

۶۔ ملفوظات: یہ خاں صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔

۷۔ وصایا شریف: اس میں خاں صاحب کے کچھ احوال اور ایک وصیت نامہ ہے۔

۸۔ حدائق بخشش: یہ خاں صاحب کے اشعار کا مجموعہ ہے اس کے کل تین حصے

---

[1] اعلیٰ حضرت بریلوی اور سوانح اعلیٰ حضرت وغیرہ۔

ہیں۔ لیکن عام طور پر دو حصے دستیاب ہیں۔ تیسرا حصہ جس کو مولوی حشمت علی خاں کے چھوٹے بھائی مولوی محبوب علی خاں لکھنوی نے مرتب کرا کے نابھ پریس نابھ (پنجاب) سے شائع کیا ہے۔ وہ عام طور پر نہیں ملتا۔

۹۔ مقاماتِ رضا۔

۱۰۔ انوار رضا۔

۱۱۔ اذکار حبیبِ رضا، یہ تینوں خاں صاحب کے مقالوں کے مجموعے ہیں۔

۱۲ حسام الحرمین،

۱۳ المعتمد المستند،

۱۴۔ فتاوی الحرمین پر جُفّ ندوۃ المین، ان تینوں کا تعارف پہلے گزر چکا ہے۔

۱۵۔ اھلاك الوھابین علی توھین قبور المسلمین: اس میں قدیم قبرستان کی جگہ مکان تعمیر کرنے کا حکم بیان کرتے ہوئے وہابیوں کو خوب برا بھلا کہا گیا ہے۔

۱۶۔ سُبُلُ السیوف الہندیۃ،

۱۷۔ الکوکبۃ الشہابیہ، ان دونوں رسالوں میں ندوہ والوں اور حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رح کا کفر ثابت کیا گیا ہے۔

۱۸۔ سُبُل الاصفیاء فی حکم الذبح للاولیاء، اس میں اولیا کے نام پر جانور ذبح کرنے کا حکم بیان کیا گیا ہے

۱۹۔ ابوالمقام فی استحسان قبلۃ الاعلام، اس میں قدیم بوسی وغیرہ کے مستحسن ہونے کا بیان ہے۔

۲۰۔ اقامۃ القیامہ علیٰ طاعن القیام لنبی تہامہ، اس میں میلاد کے وقت قیام کرنے کا ثبوت ہے۔

۲۱۔ اعجب الامداد فی مکفرات حقوق العباد، اس میں بندوں کے باہمی حقوق کا بیان ہے۔

۲۲۔ بذل الجوائز علی الدعاء بعد صلوٰۃ الجنائز، اس میں نماز جنازہ کے بعد دعاء

کرنے کا ثبوت ہے۔

۱۲۳۔ شفاء الوالہ فی صور الجیب ومزارہ ونعالہ، : اس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ نعلین شریفین اور مقامات مقدسہ کے نقشے بنانا اور رکھنا جائز اور باعث برکت ہے۔

۱۲۴۔ لمعۃ الضحیٰ فی اعفاء اللحیٰ : اس میں داڑھی رکھنے کا وجوب اور منڈانے کی حرمت کو ثابت کیا گیا ہے۔

۱۲۵۔ منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین : اس میں اذان واقامت کے وقت انگوٹھے چومنے کا ثبوت ہے

۱۲۶۔ نہجۃ السلامۃ فی تقبیل الابہامین فی الاقامۃ : اس میں بھی انگوٹھے چومنے کا ثبوت ہے۔

۱۲۷۔ النہی الاکید عن الصلوۃ وراء عدی التقلید : ملقب "کاشف مکائد لامذہبان"، اس میں غیر مقلدین کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

۱۲۸۔ ایقان الارواح لدیارہم بعد الرواح : اس میں روح کے پرواز کر جانے کے بعد اپنے گھر آنے کا بیان ہے۔

۱۲۹۔ الحجۃ الفائحہ فی تطییب التعین والفاتحہ : اس میں فاتحہ، تیجا، اور چالیسواں وغیرہ کا جواز ثابت کیا گیا ہے۔

۱۳۰۔ اعلام الاعلام بانّ ہندوستان دارالاسلام : اس میں حکومت برطانیہ کے زمانہ میں ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی نفی اور دارالاسلام ہونے کا اثبات ہے

۱۳۱۔ صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین : اس میں دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کا ثبوت اور غیر مقلدین کا رد ہے۔

۱۳۲۔ جلی الصوت لنہی الدعوۃ امام الموت : اس میں میت کے گھر کھانا کھانے کو ناجائز ثابت کیا گیا ہے۔

۱۳۳۔ جُمل النور فی نہی النساء عن زیارۃ القبور : اس میں عورتوں کے لیے زیارت قبور کے لیے جانے کو ناجائز ثابت کیا گیا ہے۔

۳۴:- برکات الامداد لاہل الاستمداد ؛ اس میں اہل اللہ سے استعانت واستمداد کا جواز ثابت کیا گیا ہے ۔

۳۵:- سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح ؛ ملقب " دوصد تازیانہ برفرق جہول زمانہ " اس میں مسئلہ امکان کذب کا ابطال ہے ۔

۳۶:- رسالہ تعزیہ داری ؛ اس میں تعزیہ داری کی حرمت کو ثابت کیا گیا ہے ۔

۳۷:- خالص الاعتقاد ؛ اس میں ایک تمہید کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب ثابت کیا گیا ہے اس کی تمہید کا نام " رماح القہار علیٰ کفر الکفار " ہے ۔

۳۸:- ایذان الاجر فی اذان القبر ؛ اس میں دفن کے وقت قبر پر اذان دینے کا ثبوت ہے ۔

۳۹:- الانتباہ فی حل ندا، یارسول اللہ ؛ اس میں نعرۂ رسالت کی حلت کو ثابت کیا گیا ہے ۔

۴۰:- الامن والعلیٰ ؛ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مختار کل ہونے کو ثابت کیا گیا ہے ۔

۴۱:- تمہید الایمان ؛ اس میں اکابر علماء دیوبند کا کفر ثابت کیا گیا ہے ۔

۴۲:- الصمصام علی مثلک فی آیۃ علوم الارحام ؛ اس میں علوم ما فی الارحام کو خدا کی ذات کے ساتھ خاص ہونے کا مطلب بیان کیا گیا ہے ۔

۴۳:- ختم النبوۃ ؛ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کا اثبات ہے ۔

۴۴:- اسوء العقاب علیٰ المسیح الکذاب ؛ اس میں غلام احمد قادیانی کے کفر کو بچند وجوہ ثابت کیا گیا ہے ۔

۴۵:- الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ ؛ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب ثابت کیا گیا ہے ۔

۴۶:- انباء المصطفیٰ ؛ اس میں بھی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کو ثابت کیا گیا ہے ۔

سلسلہ رضاخانیت کی اہم شخصیات کا تعارف

مولوی احمد رضاخاں کے تعارف کے بعد ان کے مکتبِ فکر کی ترویج وتبلیغ میں ممتاز اور نمایاں کارنامے انجام دینے والوں کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ مولوی نعیم الدین مراد آبادی،

رضاخانیوں کے نزدیک خاں صاحب کے بعد سب سے ممتاز قائد اور رہبر مولوی نعیم الدین مرادآبادی ہیں جو خاں صاحب کے ہم عصر تھے۔ یہ بھی خاں صاحب کی طرح حامیاں توحید و سنت سے عداوت رکھتے تھے۔ چنان چہ انھوں نے خاں صاحب کی تائید میں چند کتابیں تحریر کر کے رضاخانیت کو خوب تقویت پہنچائی ہے۔ اسی لیے رضاخانی ان کو اپنا پیشوا سمجھتے ہیں اور صدرالافاضل کہتے ہیں۔ ان کی سب سے اہم تصنیف قرآن کریم کی وہ تفسیر ہے جو "خزائن العرفان" کے نام سے خاں صاحب کے ترجمہ "کنزالایمان" کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ دوسری تصنیف "اطیب البیان" ہے جو "تقویۃ الایمان" کے رد میں لکھی گئی ہے، تیسری "الکلمۃ العلیا" ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کو ثابت کیا گیا ہے اور "فتاوی صدر الافاضل" ان کے فتاوی کا مجموعہ ہے۔ انھوں نے مرادآباد میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا جس کا نام پہلے "مدرسہ اہل السنۃ" رکھا تھا پھر بدل کر "جامعہ نعیمیہ" کر دیا، جو مرادآباد میں آج بھی موجود ہے۔ اس مدرسہ کے فضلاء اپنے آپ کو نعیمی لکھتے ہیں ——— ان کی ولادت ۱۸۸۳ء میں اور وفات ۱۹۴۸ء میں ہوئی ہے۔

۲۔ مولوی امجد علی اعظم گڈھی،

رضاخانیوں میں دوسرے ممتاز قائد مولوی امجد علی ہیں۔ یہ گھوسی ضلع اعظم گڈھ میں پیدا ہوئے اور مدرسہ حنفیہ جون پور میں تعلیم حاصل کر کے ۱۳۲۰ھ میں فارغ ہوئے۔ پھر بریلی میں ایک مدت قیام کر کے خاں صاحب سے خوب استفادہ کیا اور رضاخانیت کی تائید میں چند کتابیں لکھیں، ان کی سب سے اہم کتاب "بہار شریعت" ہے جو بہشتی زیور کے مقابلہ میں لکھی گئی ہے۔ اسی کارنامہ کی وجہ سے رضاخانی ان کو "صدرالشریعۃ" کہتے ہیں۔ ان کی وفات بھی ۱۹۴۸ء مطابق ۱۳۶۸ھ میں ہوئی ہے۔

۳:- مولوی حشمت علی پیلی بھیتی ،

تیسرے بے باک اور بد زباں لیڈر مولوی حشمت علی ہیں۔ ان کی پیدائش لکھنو میں ہوئی، ابتدائی تعلیم مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ میں حاصل کی۔ پھر بریلی آکر مولوی امجد علی سے بقیہ تعلیم حاصل کی، اور ۱۳۴۲ھ میں فارغ ہوکر رضاخانیت کی ترویج میں منہمک ہو گیے۔ یہ بہت بدزبان اور فحش گو تھے۔ حامیان توحید وسنت کو بہت بُرا بھلا کہتے تھے اس لیے رضاخانی ان کو "مظہر اعلیٰ حضرت" اور "غیظ المنافقین" کہتے ہیں۔ بالآخر ان کی زبان میں کینسر ہوگیا جس نے ان کو ۱۳۸۰ھ میں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اور پیلی بھیت" میں مدفون ہوئے۔ ان کی مشہور کتاب "اصلاح بہشتی زیور" ہے، اور "تجانب اہل السنۃ" کے بارے میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ درحقیقت ان ہی کی تصنیف ہے مگر مصلحتاً مولوی محمد طیب قادری کے نام سے شائع کی گئی ہے۔

۴:- مفتی محمد یار خاں نعیمی بدایونی ،

چوتھے ممتاز قائد مفتی احمد یار خاں ہیں۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم بدایوں میں حاصل کی پھر مولوی نعیم الدین مراد آبادی کی خدمت میں حاضر ہوکر تعلیم کی تکمیل کی۔ اس لیے یہ اپنے آپ کو نعیمی لکھتے ہیں۔ انھوں نے رضاخانیت کی ترویج میں کئی کتابیں لکھی ہیں جن میں سے مشہور یہ ہیں:

۱:- علم القرآن۔
۲:- نورعرفان۔
۳:- جاء الحق وزھق الباطل۔
۴:- رحمت الٰہ بوسیلۂ اولیاء۔
۵:- سلطنت مصطفیٰ۔
۶:- فتاوی نعیمیہ۔

ان کی وفات ۱۹۷۱ء میں ہوئی ہے۔

رضاخانیت وبریلویت

مولوی احمد رضاخان صاحب نے حامیان توحید وسنت کے خلاف جو مہم شہر بریلی سے شروع کی تھی، اس نے بعد میں ایک مستقل مکتب فکر کی صورت اختیار کرلی جس کو "رضاخاں" کی طرف منسوب کرکے "رضاخانیت" اور بریلی کی طرف منسوب کرکے "بریلویت" کہا جاتا ہے۔ اب رضاخانیت اور بریلویت ایک مستقل مکتب فکر کا نام ہے۔ جس کی بنیاد دو امروں پر ہے: ایک انبیاء واولیاء کی عقیدت

ومحبت میں حد سے زیادہ غلو کرنا۔ اور دوسرے رسوم وبدعات کو ضعیف اور کمزور حتی کہ موضوع احادیث کا سہارا لے کر جائز و مستحسن گردانا۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اس سے پہلے بھی دین سے ناواقف لوگ شرک آمیز عقائد اور بدعات کی طرف مائل ہوئے ہیں مگر جب مجددینِ ملت اور مصلحین امت نے ان کو راہ سنت سے آگاہ کیا تو انھوں نے اس سے توبہ کرلی اور بدعت کو چھوڑ کر راہِ سُنّت اختیار کرلی۔ کیونکہ اس سے پہلے شرکیہ عقائد اور بدعات کو سند جواز نہیں دی گئی تھی۔ لیکن خاں صاحب اور ان کے حامیوں کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے شرکیہ عقائد اور بدعات کو سند جواز دیکر ہدایت کی راہیں مسدود کردیں۔ اب جاہل لوگ ان ہی خرافات و بدعات کو دین سمجھنے لگے ہیں اور حامیان توحید وسنت کو نعوذ باللہ کافر ومرتد بلکہ کافروں سے بدتر خیال کرتے ہیں۔ اس لیے علمائے دین کی سب سے اہم ذمہ داری یہ ہے کہ سنت وبدعت کی حدود اربعہ کو اچھی طرح سمجھیں، اور لوگوں کو بتائیں کہ فلاں فلاں امور سنت ہیں اور فلاں فلاں چیزیں سنت کے دائرے سے خارج ہیں۔ ان سے اجتناب کرنا نہایت ضروری ہے۔

رضاخانیت کی تردید میں کام کرنے والے حضرات

علماء دیوبند میں سے جن حضرات نے رضاخانیت کی تردید میں کام کیا ہے ان کی فہرست طویل ہے ان سب کا تعارف پیش کرنا دشوار ہے۔ اس لیے ذیل میں صرف ان حضرات کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے جنھوں نے اس سلسلہ میں نمایاں اور اہم خدمات انجام دی ہیں اور جن کا پوری امت مسلمہ پر عظیم احسان ہے۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ

آپ قصبہ گنگوہ میں ۷ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گنگوہ ہی میں حاصل کی۔ اس کے بعد اپنے ماموں کے ہمراہ کرنال تشریف لے گیے ان سے فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ پھر مولوی محمد بخش رامپوری سے صرف ونحو کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۲۶۱ھ میں دہلی تشریف لے گئے اور حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی رح سے اکثر کتابیں، اور بعض کتابیں مفتی صدرالدین آزردہ سے

پڑھیں، اور کتب حدیث شاہ عبدالغنی مجددی سے پڑھ کر ۱۲۶۷ھ میں فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے بیعت ہو گئے، اور خلافت حاصل کی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کے خلاف شاملی میں جنگ کی، اس جرم میں چھ ماہ جیل میں رہے۔ رہائی کے بعد درس وتدریس اور رشد وہدایت کا سلسلہ شروع فرمایا۔ اور تادم حیات یہ سلسلہ جاری رہا۔ ۱۲۹۷ھ میں جب حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کا وصال ہو گیا تو آپ کو دارالعلوم دیوبند کا سرپرست منتخب کیا گیا۔ ۱۳۱۴ھ میں مظاہر علوم سہارنپور کے بھی سرپرست بنائے گئے۔ ۹ رجمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ بروز جمعہ اذانِ جمعہ کے بعد آپ کا وصال ہو گیا۔ اور گنگوہ میں ایک باغ میں آسودۂ خواب ہیں۔

آپ ہی نے سب سے پہلے رائج الوقت بدعات وخرافات سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ اور دین کو بدعات وخرافات سے نکھار کر اصلی شکل وصورت میں لوگوں کے سامنے پیش کیا اس لیے آپ بلاشبہ چودھویں صدی ہجری کے مجدد ہیں۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رح

آپ کی پیدائش ۱۲۶۸ھ میں بریلی میں ہوئی جہاں آپ کے والد ماجد مولانا ذوالفقار علی صاحب سرکاری محکمۂ تعلیم سے وابستہ تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے چچا مولانا مہتاب علی صاحب رح سے حاصل کی۔ قدوری اور شرح تہذیب وغیرہ کتابیں پڑھ رہے تھے۔ کہ دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا آپ اس میں داخل ہو گئے۔ دارالعلوم کے نصاب کی تکمیل کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رح سے حدیث کی کتابیں پڑھیں ۱۲۹۰ھ میں خود بانی دارالعلوم نے آپ کے سر پر دستار فضیلت باندھی۔ ۱۲۹۱ء میں مدرس چہارم کی حیثیت سے دارالعلوم میں آپ کا تقرر ہوا جس سے بتدریج ترقی کر کے ۱۳۰۸ھ میں صدارت کے منصب پر فائز ہوئے۔ آپ کے دور صدارت میں دارالعلوم کو عالم گیر شہرت حاصل ہوئی۔

۱۳۳۰ھ میں حضرت شیخ الہند نے ہندوستان سے برطانوی اقتدار کو ختم کرنے کے لیے ایک اسکیم تیار کی، اس سلسلہ میں ۱۳۳۳ھ میں حجاز مقدس کا سفر کیا۔ غالب پاشا اور انور پاشا سے جو اس وقت ترکی کے وزیر جنگ تھے ملاقات کر کے بعض اہم امور طے فرمائے۔ آپ حجاز سے براہِ

بغداد بلوچستان ہوتے ہوئے سرحد کے آزاد قبائل میں پہنچنا چاہتے تھے کہ اچانک جنگ عظیم کے دوران شریف حسین والیٔ مکہ نے آپ کو گرفتار کرکے انگریزوں کے حوالہ کر دیا۔ حضرت شیخ الہند کے ساتھ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رح اور مولانا عزیر گل صاحب رح وغیرہ کو بھی گرفتار کیا گیا۔ انکو پہلے مصر، پھر مالٹا پہنچا دیا گیا۔ جنگ عظیم ختم ہونے پر آپ کو ہندوستان آنے کی اجازت ملی۔ ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ کو آپ بمبئی پہنچے۔ مالٹا سے واپسی کے بعد اگرچہ آپ کی صحت جواب دے چکی تھی اور قویٰ پیرانہ سالی کی وجہ سے نہایت ضعیف ہو چکے تھے مگر اس کے باوجود آپنے بڑی شدومد کے ساتھ سیاسی کاموں میں حصہ لیا۔ طبیعت اس بارِ گراں کی متحمل نہ ہوسکی۔ جب حالت زیادہ تشویشناک ہوگئی تو بغرض علاج ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے یہاں دہلی لے جایا گیا۔ حکیم اجمل خاں بھی شریک علاج تھے، مگر وقت موعود آپہنچا تھا۔ ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ کی صبح کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ جنازہ دہلی سے دیوبند لایا گیا اور اگلے روز مزار قاسمی میں آپ کو دفن کیا گیا۔

آپ کی فرقہ باطلہ کی تردید میں متعدد کتابیں ہیں۔ رضاخانیت کی رد میں جہد المقل فی تنزیہ المعز والمذل" آپ کی مشہور کتاب ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رح سہارنپوری

آپ اپنے وطن انبیہٹھ میں ۱۲۶۹ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ ابتدائی تعلیم انبیہٹھ اور نانوتہ میں حاصل کی۔ ۱۲۸۵ھ میں آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ چھ ماہ بعد مظاہر علوم سہارنپور چلے گئے۔ وہاں سے ۱۲۸۸ھ میں فارغ ہوئے۔ پھر ۱۲۸۹ھ میں دوبارہ دیوبند تشریف لائے اور فنون کی تکمیل فرمائی۔ دارالعلوم دیوبند سے علوم و فنون کی تکمیل کے بعد مظاہر علوم سہارنپور میں مدرس ہوگئے۔

۱۲۹۳ھ میں مولوی جمال الدین مدار المہام بھوپال کے اصرار پر آپ کو بھوپال بھیج دیا گیا مگر وہاں آپ کا دل نہ لگا اور چند ماہ کے بعد حج کے لیے چلے گئے۔ واپسی کے بعد حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی نے آپ کو بھاول پور بھیج دیا۔ ۱۲۹۷ھ میں آپ نے دوبارہ حج کا ارادہ فرمایا۔ اس موقع پر حضرت گنگوہی رح نے جن سے آپ کو شرفِ بیعت حاصل تھا۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کو لکھا کہ مولوی خلیل احمد حاضر خدمت ہو رہے ہیں، آپ ان کی حالت پر مطلع ہو کر مسرور

۱۵ ارجب ۱۳۶۲ھ کی شب میں آپ کی وفات ہوئی۔ اور تھانہ بھون میں اپنے ذاتی باغ میں حسب وصیت تدفین عمل میں آئی ——— بدعات وخرافات اور رضاخانیت کی تردید میں آپ کے فتاوی اور بے شمار مواعظ موجود ہیں

حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری

چاندپور ضلع بجنور آپ کا وطن تھا ۱۳۰۴ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے۔ کامیاب استاذ اور مشہور واعظ تھے۔ مناظرہ میں اپنی مثال آپ تھے۔ عرصہ دراز تک مدرسہ امدادیہ دربھنگہ، اور مرادآباد میں صدارت تدریس پر فائز رہے۔ دارالعلوم دیوبند میں نظامت تعلیم کے کچھ دنوں ذمہ دار رہے۔ اور تدریس کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ پھر اسفار کی کثرت کی وجہ سے آپ کو شعبۂ تبلیغ کا ناظم بنا دیا گیا ۱۳۵۰ھ میں دارالعلوم دیوبند سے سبکدوش ہوکر دربھنگہ (بہار) چلے گئے، وہاں کافی دنوں تک صدارت تدریس پر فائز رہے اخیر عمر میں اپنے وطن میں قیام پذیر ہوگئے اور وہیں ۱۳۷۱ھ میں وفات پائی۔ آپنے رضاخانیت کے رد میں متعدد رسائل ارقام فرمائے ہیں جو رسائل چاندپوری کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا ذاتی کتب خانہ آٹھ ہزار کتابوں پر مشتمل تھا۔ جسے ان کے صاحبزادے نے دارالعلوم دیوبند میں منتقل کر دیا ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رح

آپ کا وطن الہ داد پور ٹانڈا ضلع فیض آباد ہے آپکے والد محترم مولانا سید حبیب اللہ صاحب بانگرمؤ ضلع اناؤ میں ہیڈ ماسٹر تھے وہیں آپ ۱۹ شوال ۱۲۹۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم پرائمری اسکول میں حاصل کرنے کے بعد بارہ سال کی عمر میں (۱۳۰۹ھ) آپ دیوبند تشریف لائے اور ابتدائی درجہ عربی میں داخلہ لیا ۱۳۱۶ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد والد بزرگوار کے ساتھ ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ روانگی حجاز سے پہلے حضرت گنگوہی سے آپ بیعت ہو چکے تھے۔ حجاز پہنچ کر مسجد نبوی میں حدیث شریف کا کامیاب درس دیا۔ پھر شیخ الہند کے ساتھ گرفتار ہوکر مالٹا چلے گئے ۱۳۳۸ھ میں مالٹا سے ہندوستان واپس تشریف لائے۔ یہاں ملکی حالات کے پیش نظر سیاسی امور میں بھرپور

ہوں گے۔ حضرت حاجی صاحب نے جب آپ کی باطنی حالت دیکھی تو بہت خوش ہوئے اور سر سے دستار اتار کر آپ کے سر پر رکھ دی۔ اور اسی کے ساتھ اپنی جانب سے تحریری خلافت عطا فرمائی بعد میں اس اجازت نامہ پر حضرت گنگوہی رح نے بھی دستخط فرمائے۔

حج سے واپسی کے بعد حضرت گنگوہی نے آپ کو مدرسہ مصباح العلوم بریلی کا صدر مدرس مقرر فرمایا۔ ۱۳۱۰ھ میں آپ دارالعلوم دیوبند مدرس ہو کر تشریف لائے ۱۳۱۴ھ میں یہاں سے بحیثیت صدر مدرس مظاہر علوم سہارنپور تشریف لے گئے۔ ۱۳۲۵ھ میں آپ کو مظاہر علوم سہارنپور کا ناظم منتخب کیا گیا، ۱۳۴۴ھ میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے۔ ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ اور جنت البقیع میں آسودہ خواب ہیں ——— ——— آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔ جن میں سب سے مشہور ابوداؤد شریف کی عربی شرح بذل المجہود ہے، اور رضا خانیت کی تردید میں براہین قاطعہ اور المہند علی المفند نہایت عمدہ کتابیں ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی

آپ اپنے وطن تھانہ بھون میں ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ قرآن شریف حافظ حسین علی صاحب سے حفظ کیا، فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں اپنے وطن میں حضرت مولانا فتح محمد صاحب تھانوی سے پڑھیں۔ ۱۲۹۵ھ کے اواخر میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ ۱۲۹۹ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔ تجوید و قرأت مکہ مکرمہ میں قاری محمد عبداللہ صاحب مہاجر مکی سے پڑھی۔ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے بیعت ہوئے اور خلافت پائی۔ اور حضرت گنگوہی نے آپ کی اصلاح فرمائی۔

۱۳۰۱ھ میں پہلے مدرسہ فیض عام کانپور میں صدر مدرس مقرر ہوئے۔ پھر جامع العلوم کانپور کی مسند صدارت کو زینت بخشی، ۱۳۱۵ھ میں کانپور سے تھانہ بھون آگئے اور بیعت وارشاد اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔ ہزاروں علماء و صلحاء اور عوام و خواص آپ سے بیعت ہوئے سینکڑوں تصانیف اور مواعظ شائع ہوئے۔ اور بہت بڑی مخلوق نے آپ سے ہدایت پائی۔

دیوبند تشریف لائے اور ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۱ء میں حضرت مدنی قدس سرہٗ سے دورہ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔ ۱۳۶۴ھ سے نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں تدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں، اور بقید حیات ہیں آپ نے رضاخانیت کے رد میں کئی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ بلکہ آپ کی زیادہ تر تصنیفات اسی موضوع پر ہیں اور بہت عام فہم ہیں۔

رضاخانیت کے رد میں اہم کتابیں

رضاخانیت کی رد میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں سے اہم کتابوں کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے تاکہ طلبہ اس سے استفادہ کریں۔

۱۔ براھین قاطعہ : یہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی تصنیف ہے اور "انوار ساطعہ" کی رد میں لکھی گئی ہے۔ اس میں پہلے بدعت کی تعریف پھر بدعات مروجہ کی تردید کی گئی ہے۔

۲۔ المہند علی المفند : یہ بھی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی تصنیف ہے اس میں علماء حرمین شریفین کے ۲۶ سوالوں کے جوابات ہیں۔

۳۔ تنشیط الاذان : یہ بھی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی تصنیف ہے اس میں اذانِ خطبہ مسجد کے اندر پڑھنے کا ثبوت ہے۔

۴۔ جُہدُ المقل : یہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی کی تصنیف ہے اس میں عموم قدرت باری تعالیٰ کو ثابت کیا گیا ہے، یعنی امکانِ کذب اور امکان نظیر کے مسئلہ پر بحث کی گئی ہے۔

۵۔ الشہاب الثاقب : یہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رح کی تالیف ہے۔ حسام الحرمین میں مولوی احمد رضا خاں نے اکابر علماء دیوبند کی طرف جن کفریہ عقائد کی نسبت کی تھی ان کی تردید کی گئی ہے۔ اور اکابر کی ان عبارتوں کا مطلب بیان کیا گیا ہے جن سے خاں صاحب نے دھوکہ دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔

۱۶۔ السحاب المدرار ، یہ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری کا رسالہ ہے۔ اس میں حفظ الایمان ، براھین قاطعہ ، اور تحذیر الناس کی ان عبارتوں کی تشریح و توضیح کی گئی ہے جن کو کاٹ چھانٹ کر خاں صاحب نے اکابر علماء دیوبند پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا۔

۱۷۔ الجنۃ لاھل السنۃ ، یہ مفتی عبدالغنی صاحب صدر مدرس مدرسہ امینیہ دہلی کی تصنیف ہے۔ اور رضاخانیت کے رد میں بہت مفصل اور عمدہ کتاب ہے۔

۱۸۔ بوارق الغیب ، یہ مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کی تصنیف ہے۔ اور علم غیب کے مسئلہ پر لاجواب کتاب ہے۔

۱۹۔ ازالۃ الریب ، یہ مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفدر دامت فیوضہم کی تصنیف ہے اور علم غیب کے مسئلہ پر بہت مفصل کتاب ہے۔

۲۰۔ راہ سنت ، یہ بھی مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفدر کی تصنیف ہے۔ اس میں تمام بدعات مروجہ کی تردید کی گئی ہے۔

۲۱۔ اختلاف امت اور صراط مستقیم ، کا وہ حصہ جو دیوبندی، بریلوی اختلاف کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم نے تحریر فرمایا ہے یہ رضاخانیت کے رد میں بہترین عام فہم کتاب ہے۔

شمس الاسلام

بابت سنہ ۱۴۱۵ھ

دوسرا محاضرہ علمیہ

بر موضوع

ردِّ رضاخانیت

پیش کردہ

حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالنپوری

استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	قیام دارالعلوم کے وقت ہندوستان کا عمومی ماحول	۳
۲	احیائے سنت اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ	۴
۳	پہلی امتیازی شان	۵
۴	دوسری امتیازی شان	۸
۵	احیائے سنت اور اکابرین دارالعلوم دیوبند	۹
۶	بدعت کے اسباب اور علماء کی ذمہ داریاں	۱۰
۷	سنت و بدعت کی بحث	۱۲
۸	بدعت کی قباحت کی وجوہ	۱۷
۹	سنت و بدعت کی تعریفات	۲۰
۱۰	سنت کے لغوی معنیٰ	۲۰
۱۱	سنت کے اصطلاحی معنیٰ	۲۱
۱۲	بدعت کے لغوی معنی	۲۶
۱۳	بدعت کے اصطلاحی معنیٰ	۲۷
۱۴	لفظ بدعت کا استعمال	۳۰
۱۵	بدعتِ اعتقادی اور بدعتِ عملی	۳۱
۱۶	بدعت حقیقی اور بدعت اضافی	۳۲
۱۷	بدعات کو پہچاننے کے لیے اصول	۳۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، امابعد:

ہندوستان کی تاریخ میں تیرہویں صدی ہجری مسلمانوں کے لیے انتہائی پُرآشوب دور ہے، ایک طرف انگریزوں کی دوسو سالہ حکومت نے مسلمانوں کو دینی اور دنیوی ہر اعتبار سے پستی کی انتہا تک پہنچا دیا تھا، تو دوسری طرف برادرانِ وطن سے طویل اختلاط نے مسلمانوں کو رسوم و بدعات اور خرافات کا خوگر بنا دیا تھا، کہیں عیسائی پادری اور ہندو پنڈت مسلمانوں کو دین سے برگشتہ کرنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے، تو کہیں جاہل صوفیاء اور جاہ پرست نام نہاد علماء مسلمانوں کی دولت ایمانی کو اولیاء کے مزاروں پر بھینٹ چڑھا رہے تھے،

الغرض ضلالت و گمراہی کا یہ عالم تھا کہ کوئی نیچریت و دھریت کو روشن خیالی سے تعبیر کر رہا تھا، تو کوئی رسوم و بدعات اور خرافات کو دین کا شعار سمجھ رہا تھا، کوئی حدیث کا منکر تھا، تو کوئی نبوت کا مدعی تھا، ایک طرف عدم تقلید پھیل رہی تھی تو دوسری طرف قبر پرستی اور تعزیہ پرستی کی آندھیاں چل رہی تھیں اور اسلام کی کسمپرسی کا عالم بالکل ایسا ہو چکا تھا جیسا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت دینِ ابراہیمی کا تھا، حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں کہ:

"سنہ ۱۲۴۴ ہجری ..... وہ زمانہ تھا جس میں معصیت و بددینی کی گھنگھور گھٹائیں اُمنڈ اُمنڈ کر عالم کو محیط ہوتی جاتی تھیں، بطحائی پیغمبر کے لگائے ہوئے باغیچہ کو ویران کرنے کی کوشش میں صرف دشمن ہی نہیں، بلکہ دوست نما اصحاب بھی لگے ہوئے تھے، بھولے بھالے مسلمان زمانہ کی روش کے ایسے غلام بن چکے تھے کہ قومی رسم اور برادرانہ رواج ان کو جس کروٹ لٹاتا وہ لیٹتے اور جس پہلو بٹھاتا وہ بیٹھتے تھے دین کی بے خبری جس کو جہالت کہا جاتا ہے، اکثر ایمان لائے ہوئے دلوں اور اسلام کا کلمہ پڑھی ہوئی زبانوں پر بھی اسقدر چھائی ہوئی تھی، جس طرح برسات کے موسم میں سیاہ اور گنجان بادل آفتاب پر چھا جاتے اور دن کو رات بنا چھوڑتے ہیں۔

غرض کچھ ایسی کایا پلٹی اور ظلمت برسی ہوئی تھی کہ بددینی کا نام دین تھا اور بربادی کا نام شادی جہل کا نام علم تھا، اور خرافات اور شعبدہ بازی کا نام کشف و کرامت"

(تذکرۃ الرشید حصہ اول ص۹)

آگے تحریر فرماتے ہیں کہ :

"جس طرح کسی زمانہ میں اہل عرب نے بیت اللہ ــــ زادھا اللہ شرفاً ــــ کو ایامِ سال کی مقدار پر بتوں سے سجایا اور نیکوکاری سمجھا تھا، اسی طرح ہندوستان میں بددینی و بدعقیدگی کے گویا روزانہ نئے مخترعہ خیالات جزو اسلام بنائے جاتے، اور تائید دینِ متین سمجھی جاتی تھی، کسی طرف نیچریت کا غلبہ تھا، اور کسی جانب اعتزال و دہریت کا کہیں رفض و تشیع کا زور تھا اور کہیں خروج کا، ایک جانب عدمِ تقلید پھیل رہی تھی تو دوسری طرف قرانیت و مرزائیت کا بیج پڑ رہا تھا، یہاں ڈھولک و ستار کھڑک رہے تھے، تو وہاں بازاری عورتوں کے گانے پر وجد و حال گرم تھا، یہاں گور پرستی و تعزیہ پرستی ہو رہی ہے، تو وہاں اولیاء اللہ کی توہین اور بدزبانی، غرض افراط و تفریط نے وہ مٹی خراب کر رکھی تھی کہ الامان! اور اعتدال سے محرومیت نے وہ ناس مار رکھا تھا کہ الحفیظ!"، (حوالہ سابق ص۱۰)

تاریخ ہند کے اس تاریک ترین زمانہ میں اور ضلالت و گمراہی کے اس سیاہ ترین دور میں صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے موافق مسلمانِ ہند کی رشد و ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے دو شخصوں کا انتخاب فرمایا، ایک قاسم العلوم والخیرات حضرت اقدس مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ اور دوسرے فقیہ النفس قطب الارشاد حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ، جن میں سے اول الذکر نے اسلام کا خارجی حملوں سے دفاع کرتے ہوئے اصولِ دین کو نکھار کر لوگوں کے سامنے پیش کیا، اور دشمنانِ اسلام کو ہر میدان میں شکستِ فاش دی، اور آخر الذکر نے داخلی اصلاحات کرتے ہوئے فروعِ دین کو رسوم و بدعات سے نکھار کر مسلمانانِ ہند کے سامنے صحیح شکل و صورت میں پیش کیا اور مسلمانوں کو راہ سنت سے آگاہ فرمایا۔

احیائے سنت اور حضرت گنگوہی رح

ہمارے اس محاضرہ کا موضوع چونکہ "سنت و بدعت" ہے، اس لیے حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی داخلی اصلاحات کی قدرے تفصیل پیش کی جاتی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ نے احیائے سنت کے لیے کس طرح کی محنت کی تھی جو اس قدر بار آور ہوئی کہ پورے ہندوستان کا نقشہ بدل گیا، اور جہاں بدعت و ضلالت کی تیز و تند آندھیاں چل رہی تھیں

وہاں سنت و ہدایت کی پربہار ہوائیں چلنے لگیں۔

حضرت گنگوہی نے داخلی اصلاحات کا فریضہ انجام دینے سے پہلے اپنے آپ کو علم و عمل اور اتباعِ سنتِ نبویہ کے زیور سے آراستہ کیا، اس طرح آپ کی ذاتِ مبارکہ جہاں لوگوں کے لیے نمونۂ عمل تھی، وہاں آپ کی بات اس قدر وقیع سمجھی جاتی تھی کہ دوست اور دشمن سبھی اس کو ماننے پر مجبور تھے۔

پہلی امتیازی شان

اصلاح کے سلسلہ میں آپ کا طرزِ عمل یہ تھا کہ جس کی اصلاح مقصود ہوتی تھی اس کی حیثیتِ عرفی کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے اس طرح نکیر فرماتے تھے کہ اس کو ناگوار معلوم نہ ہو، اور اظہارِ حق اور احیائے سنت کے وقت طعن و تشنیع اور تحقیر و تذلیل سے کلی اجتناب فرماتے تھے چاہے مخاطب آپ سے چھوٹا اور کم رتبہ ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ مخالف پر طعن و تشنیع کرنا اس کو حقیر و ذلیل سمجھنا اکثر و بیشتر حق بات قبول کرنے سے اس کو روک دیتا ہے۔ اس سلسلہ کا ایک واقعہ پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، تاکہ آپ کے طرزِ عمل کی اچھی طرح وضاحت ہو جائے، اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اصلاح کا یہ طریقہ کتنا مؤثر اور مفید ہوتا ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ پہلے میلاد وغیرہ بدعات کے سلسلہ میں نرم گوشہ رکھتے تھے، قطب الارشاد حضرت گنگوہی قدس سرہ کی اصلاحی کوششوں سے آپ نے مضبوط موقف اختیار کیا ہے، جانبین سے اس سلسلہ میں کافی لمبی مکاتبت ہوئی ہے، جو "تذکرۃ الرشید" وغیرہ کتابوں میں موجود ہے، اس کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت تھانوی کے تمام شکوک و شبہات کا کس قدر خندہ پیشانی سے ازالہ فرمایا، اور حضرت تھانوی پر کتنا عظیم احسان فرمایا ہے، خود حضرت تھانوی قدس سرہ "یادیاراں" میں اس کی تفصیل یوں بیان فرماتے ہیں کہ:

"میں مدت تک مسائل اختلافیہ میں اہل الحق و اہل البدعۃ کے متعلق باوجود صحتِ عقیدہ کے ــــ والحمدللہ ــــ ایک غلطی میں مبتلا رہا اور اس غلطی پر بہت سے خیالات اور بہت سے اعمال متفرع رہے، یعنی بعض اعمال رسمیہ مثلاً مجلسِ متعارف میلاد شریف وامثالہٗ سے جو محققین بعض مفاسد کی وجہ سے عوام الناس کو مطلقاً اور ان عوام الناس کے ساتھ خواص کو بھی روکتے ہیں ــــ ــــ ان مفاسد کو تو میں ہمیشہ مذموم اور ان کے مُباشر کو ہمیشہ مَلُوم سمجھتا تھا، اور یہ صحت، عقیدہ

کی تھی، اور عوام الناس کو ہمیشہ ان مفاسد پر متنبہ کرتا رہتا تھا، لیکن یہ بات میرے خیال میں جم رہی تھی کہ علت نہی کی وہ مفاسد ہیں، جہاں علت نہ ہوگی معلول بھی نہ ہوگا، پس خواص جو کہ ان مفاسد سے مبرّا ہیں، ان کو روکنے کی ضرورت نہیں اور اسی طرح عوام الناس کو بھی علی الاطلاق روکنے کی حاجت نہیں بلکہ ان کو نفسِ اعمال کی اجازت دے کر ان کے ان مفاسد کی اصلاح کر دینا چاہیے، بلکہ اس اجازت دینے میں یہ ترجیح اور مصلحت سمجھتا تھا کہ اس طریق سے تو عقیدہ کی بھی اصلاح ہو جائے گی، جس کا فساد مدارِ نہی ہے، اور بالکل منع کرنے میں عوام مخالف سمجھیں گے، اور عقیدہ کی اصلاح بھی نہ ہوگی ـــــ ایک مدت اس حالت میں گذر گئی اور باوجود دائمی درس و تدریس فقہ و حدیث وغیرھما کے کبھی ذہن کو اس کے خلاف کی طرف انتقال و التفات نہیں ہوا، حضرت قدس اللہ سرّہٗ کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں کہ خود ہی غایت رأفت و شفقت سے مولوی منور علی صاحب درھنگوی مرحوم سے اس امر میں میری نسبت تاسّف ظاہر فرمایا۔

اور اسی غلطی کے شعبوں میں سے ایک شعبہ یہ بھی واقع ہوا تھا کہ بعضے درویشوں سے ـــــ جنکی حالت کا انطباق شریعت پر تکلف سے خالی نہ تھا ـــــ میں نے بہ خیال خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا کَدِرَ بعض اذکار و اشغال کی تلقین بھی حاصل کر لی تھی، اور آمد و رفت اور صحبت کا بھی اتفاق ہوتا تھا اور لزوم مفاسد کی نسبت وہی خیال تھا کہ خواص کے عقائد خود درست ہوتے ہیں، وہاں مفسدہ لازم نہیں، اور عوام کو حق و باطل پر تقریراً متنبہ کرتے رہنا رفعِ مفسدہ کے لیے کافی ہے، سو حضرت نے خصوصیت کے ساتھ اس پر بھی تاسف ظاہر فرمایا ـــــ غایتِ کرم یہ قابلِ ملاحظہ ہے کہ جیسا حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غایتِ کرم و حیا سے بالمشافہ کسی پر عتاب نہ فرماتے تھے، اسی طرح حضرت قدس سرّہ نے باوجود حاضری کرۃً بعد مرۃٍ کے بالمشافہ کبھی اس سے تعرض نہیں فرمایا، اور اس سے زیادہ لطف و کرم یہ کہ اگر کبھی کسی نے اعتراض کیا تو میرے فعل کی تاویل اور اس کو محلِ حسن پر محمول فرمایا۔

اور اسی غلطی کی ایک فرع یہ تھی کہ حضرت پیر و مرشد قبلہ و کعبہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تقریر در باب ممانعتِ تنازُع و اختلافِ مسائلِ معہودہ میں اجمالاً ارشاد فرمائی، اور مجھ کو اس کی تفصیل کا حکم دیا، چونکہ میرے ذہن میں وہی خیال جما ہوا تھا، اس کی تفصیل بھی اسی کے موافق عنوان

سے حیزِ تحریر میں لایا، اور حضرت حاجی صاحب کی حضور میں اس کو سنایا، چونکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ـــــ بوجہ لزوم خلوت و قلتِ اختلاط مع العوام و بنا بر غلبۂ حسنِ ظن ـــــ عوام کی حالت اور جہالت اور ضلالت پر پورا التفات نہ تھا، لامحالہ اس مفصل تقریر کو پسند فرمایا، اور کہیں کہیں اس میں اصلاح اور کمی بیشی بھی فرمائی، اور ہرچند کہ وہ عنوان میرا تھا، مگر چونکہ اصل مضمون حضرت نے از خود ارشاد فرما کر قلمبند کرنے کا حکم دیا تھا، لہذا حضرت نے اس تقریر کو اپنی ہی طرف سے لکھوایا، اور خود اپنے دستخط و مُہر سے مزین فرمایا۔ اور اپنی طرف سے ہی اشاعت کی اجازت دی، جو بعنوان ,,فیصلہ ہفت مسئلہ،، شائع کر دیا گیا جس کو بعضے کم سمجھوں نے اپنی بدعات کا مؤید سمجھا، وَاَنّٰی لَھُمْ ذَالِکَ ؟ کیوں کہ ان مفاسد کا اس میں بھی صراحۃً رد ہے، صرف خوش عقیدہ خوش فہم لوگوں کو البتہ رخصت و وسعت اس میں مذکور ہے جس کا مبنیٰ وہی خیال مذکور ہے کہ عوام کے مفاسد کا خواص پر کیوں اثر پڑے۔

غرض حضرت قدّس اللہ سرّہ نے اس سب کے متعلق مولوی منور علی صاحب سے تذکرہ فرمایا، مولوی صاحب نے احقر سے ذکر کیا، تو حضرت کے قوت فیضان سے اجمالاً تو مجھ کو فوراً اپنی غلطی پر تنبّہ ہو گیا، لیکن زیادہ بصیرت کے لیے میں نے اس بارے میں مکاتبت کی بھی ضرورت سمجھی، چنانچہ چند بار جانبین سے تحریرات ہوئیں، اور وہ تحریرات سوانح میں چھپ چکی ہیں۔

بالجملہ نتیجہ یہ ہوا کہ مجھکو بصیرت و تحقیق کے ساتھ اپنی غلطی پر بفضلہ تعالیٰ اطلاع ہو گئی۔ اور اس پر اطلاع ہونے سے ایک بابِ عظیم علم کا جو کہ مدّت تک مغلق تھا مفتوح ہو گیا، جس کا مُلخّص یہ ہے کہ مدار نہی فی الواقع فسادِ عقیدہ ہی ہے، لیکن فساد عقیدہ عام ہے، خواہ فاعل اس کا مباشر ہو، خواہ اس کا سبب ہو، پس فاعل اگر جاہل عامی ہے تو خود اسی کا عقیدہ فاسد ہو گا، اور اگر وہ خواص میں سے ہے تو گو وہ خود صحیح العقیدہ ہو، مگر اس کے سبب سے دوسرے عوام کا عقیدہ فاسد ہو گا اور فساد کا سبب بننا بھی ممنوع ہے، اور گو تقریر سے اس فساد پر تنبیہ عوام کی ممکن ہے، مگر کل عوام کی اس سے اصلاح نہیں ہوتی، اور نہ سب تک اسکی تقریر پہنچتی ہے، پس اگر کسی عامی نے اس خاص کا فاعل ہونا تو سنا، اور اصلاح کا مضمون اس تک نہ پہنچا، تو یہ شخص اس عامی کے ضلال کا سبب بن گیا، اور ظاہر ہے کہ اگر ایک کی ضلالت کا بھی کوئی شخص سبب بن جائے تو بُرا ہے، اور ہرچند کہ بعض

مصلحتیں بھی فعل میں ہوں، لیکن قاعدہ یہ ہے کہ جس فعل میں مصلحت اور مفسدہ دونوں مجتمع ہوں، اور وہ فعل شرعاً مطلوب بالذات نہ ہو، وہاں اس فعل ہی کو ترک کر دیا جائے گا، پس اس قاعدہ کی بنا پر ان مصلحتوں کی تحصیل کا اہتمام نہ کریں گے، بلکہ ان مفاسد سے احتراز کے لیے اس فعل کو ترک کر دیں گے، البتہ جو فعل ضروری ہے، اور اس میں مفاسد پیش آویں، وہاں اس فعل کو ترک نہ کریں گے بلکہ حتی الامکان ان مفاسد کی اصلاح کی جاوے گی۔ چنانچہ احادیثِ نبویہ ومسائل فقہیہ سے یہ سب احکام وقواعد ظاہر ہیں، ماہر پر مخفی نہیں،، (یاد یاراں ص۷ تا ص۱۰)

دوسری امتیازی شان

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ کی اصلاح امت کے سلسلہ میں دوسری امتیازی شان یہ تھی کہ آپ غلط اور منکر بات کو بالکل برداشت نہیں کرتے تھے، ملامت کی پروا کیے بغیر جو بات آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں حق سمجھتے تھے، اس کا برملا اور کھلم کھلا اظہار فرماتے تھے، اور ایسا طرز اختیار فرماتے تھے کہ کسی کو آپ کے عمل سے غلط فہمی نہ ہو، چنانچہ جب حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رح کا رسالہ ،، فیصلہ ہفت مسئلہ،، جو درحقیقت حضرت تھانوی رح کا لکھا ہوا ہے، حضرت گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں کسی نے پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ:

،، اسے حمام میں جھونک دو،، ــــــــ کسی نے کہا کہ اپنے شیخ کا رسالہ حمام میں جھونک رہے ہیں! فرمایا کہ شیخ کے ہاتھ پر ہم نے جو بیعت کی ہے وہ تصوف میں کی ہے، فقہ میں نہیں کی ہے، فقہ میں وہ ہمارے تابع[1] ہیں،، (مجالس حکیم الاسلام ص۱۱۹)

---

[1] ضیاء القلوب میں حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے حضرت گنگوہی کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، اس سے حضرت گنگوہی کے ارشاد کی مکمل تائید ہوتی ہے، آپ لکھتے ہیں کہ:

ونیز ہر کس ازیں فقیر محبت وعقیدت وارادت دارد مولوی رشید احمد صاحب سلمہٗ و مولوی محمد قاسم سلمہ را کہ جامع جمیع کمالات علوم ظاہری وباطنی اند بجائے من فقیر راقم اوراق، بلکہ بمدارج	نیز ہر شخص جو اس فقیر سے محبت اور عقیدت وارادت رکھتا ہے وہ مولوی رشید احمد صاحب سلمہٗ اور مولوی محمد قاسم صاحب سلمہٗ کو ــــ جو تمام کمالاتِ علومِ ظاہری اور باطنی کے جامع ہیں (بقیہ ص۹ پر)

الحاصل قطب الارشاد مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ نے جہاں خیرخواہی کے ساتھ مسلمانوں کو بدعات مروّجہ سے آگاہ کیا وہاں ایسا عملی بھی نمونہ پیش فرمایا کہ کسی کو آپ کے عمل سے حق و باطل اور سنت و بدعت کے سمجھنے میں ادنیٰ التباس و اشتباہ نہ ہو۔

احیائے سنت اور اکابرین دارالعلوم دیوبند

اور انہی دو بنیادی باتوں کو حضرت گنگوہی کے بعد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ نے اپنا کر احیائے سنت کے سلسلہ میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جو محتاج بیان نہیں، ——— اور حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ اجل محدث جلیل حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ نے ایک طرف حضرت گنگوہی کے ایماء پر "براہین قاطعہ" تصنیف فرما کر بدعات مروّجہ سے لوگوں کو آگاہ کیا، تو دوسری طرف علمائے حرمین شریفین کے چھبیس[۲۶] سوالوں کے جواب باصواب تحریر فرما کر مسلک دارالعلوم کی ایسی وضاحت فرمائی کہ حرمین شریفین اور مصر و شام کے علماء نے نہ صرف خراج تحسین پیش کیا، بلکہ اپنی تصدیقات سے بھی اس کو مزین کیا ——— اور قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کا چونکہ قیام دارالعلوم کے بعد بہت جلد انتقال ہوگیا تھا، اس لیے آپ داخلی اصلاحات کی طرف

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

فوق از من شمارند، اگرچہ بظاہر معاملہ برعکس شد کہ اوشاں بجائے من، و من بمقام اوشاں شد (ضیاء القلوب صفحہ)

مجھ فقیر راقم الحروف کی جگہ، بلکہ بدرجہا اوپر خیال کرے اگرچہ بظاہر معاملہ برعکس ہوگیا ہے کہ وہ میری جگہ اور میں ان کی جگہ ہوگیا۔

نیز حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے رسالہ "فیصلہ ہفت مسئلہ" کے آخر میں جو وصیت فرمائی ہے، اس سے بھی حضرت گنگوہی کے ارشاد کی تائید ہوتی ہے، آپ وصیت فرماتے ہیں کہ:

"اور اس تمام تحقیق کے بعد بھی فقیر کی یہ وصیت ہے کہ ظنیات میں اپنے علم و تحقیق پر وثوق نہ کریں ..... اور اہل اللہ کی صحبت و خدمت اختیار کریں، خصوص عزیزی مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے وجود بابرکت کو ہندوستان میں نعمت کبریٰ و نعمت عظمیٰ سمجھ کر ان سے فیوض و برکات حاصل کریں، کہ مولوی صاحب موصوف جامع کمالاتِ ظاہری اور باطنی کے ہیں، (فیصلہ ہفت مسئلہ صـ۱۲)

وہی توجہ نہ فرما سکے، لیکن خارجی حملوں سے اسلام کا دفاع کرتے ہوئے آپ نے اصول دین کو جو نکھارا ہے وہ آپ کی اتنی عظیم خدمت ہے کہ اس کا کوئی بدل پیش نہیں کیا جا سکتا ——— اور حامیانِ بدعت نے جب ان اکابر پر بے بنیاد الزام لگا کر ان کو بدنام کرنے کی ناکام کوشش کی، تو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز کتاب "الشہاب الثاقب" تصنیف فرما کر حامیان بدعت کی جعل سازی کو عالم آشکارا کر دیا، اور مذکورہ چاروں اکابر کی طرف جو غلط عقیدے منسوب کیے گئے تھے ان کی مکمل تردید کر کے لوگوں کے دلوں میں ان کی عقیدت کو راسخ فرما دیا، ——— اور جب حامیانِ بدعت نے یہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ دیوبندی خدا کو جھوٹا کہتے ہیں، تو شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمہ اللہ نے "جہد المقل فی تنزیہ المعز والمذل" لکھ کر اس کی مکمل تردید فرمائی۔

یہ ہیں دار العلوم دیوبند کے اکابر کی احیائے سنت کے سلسلہ میں خدمات جلیلہ، اور انہی اکابر کے نقش قدم پر چل کر قرآن وحدیث کی روشنی میں لوگوں کو حق و باطل اور سنت و بدعت سے آگاہ کرنا دار العلوم دیوبند کا بنیادی مقصد ہے

یوں سینۂ گیتی پر قائم اسلاف کا یہ کردار رہے ∴ آنکھوں میں رہیں انوار حرم، سینہ میں دلِ بیدار رہے

بدعت کے اسباب اور علماء کی ذمہ داریاں

سنت و بدعت کی حقیقت جاننے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ امت میں بدعات کیسے پھیلتی ہیں اور اس سلسلہ میں علمائے حقانی کی کیا ذمہ داری ہے؟

(۱) جہالت امت میں جو بدعات پھیلتی ہیں اس کے متعدد اسباب ومحرکات ہیں، ان میں سب سے اہم سبب جہالت ہے، یعنی لوگوں کا دین سے ناواقف ہونا، اور بدعت کی قباحت کو نہ پہچاننا، کیوں کہ بدعت میں گو نہ ظاہری خوبی اور نمائشی حسن ہوتا ہے، ناواقف آدمی اسکی ظاہری خوبی اور نمائشی حسن کو دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے اور باطن میں جو خرابیاں ہوتی ہیں اس کی طرف اس کی نظر نہیں جاتی، لہذا علمائے حقانی کا یہ فریضہ ہے کہ بدعات میں جو خرابیاں ہیں وہ لوگوں کو بتائیں اور بدعات سے بچنے کی لوگوں کو تاکید کریں۔

(۲) غیروں کی تقلید بدعات کے پھیلنے کا دوسرا اہم سبب غیروں کی تقلید ہے، تمدن و معاشرت کا یہ ایک فطری اصول ہے کہ جب مختلف تہذیبوں کا امتزاج ہوتا ہے تو غیر شعوری طور پر ایک تہذیب دوسری تہذیب کو متاثر کرتی ہے، اس لیے جو قوم اپنے تہذیبی خصائص کے تحفظ کا اہتمام نہیں کرتی وہ اپنے بہت سے امتیازی اوصاف کھو بیٹھتی ہے خصوصاً جو تہذیب مفتوح و مغلوب ہوتی ہے وہ فاتح اور غالب تہذیب کے سامنے سپر ڈال دیتی ہے، مسلمان جب تک غالب و فاتح رہے، اور ان میں اپنے تہذیبی خصائص کے تحفظ کی تب و تاب تھی اس وقت تک وہ دوسری تہذیبوں پر اثر انداز ہوتے رہے، لیکن جب ان کی ایمانی حرارت ٹھنڈی پڑ گئی اور ان میں من حیث القوم اپنے خصائص کے تحفظ کا ولولہ نہ رہا تو وہ خود دوسری تہذیبوں سے متاثر ہونے لگے، دور جدید میں مسلمانوں کا انگریزی تہذیب سے متاثر ہونا اس کی کافی شہادت ہے ـــــــ اس سلسلہ میں علماء پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو اسلامی تہذیب سے آگاہ کریں اور اس کی خوبیاں سمجھائیں اور دوسری تہذیبوں سے دور رہنے کی تاکید کرتے رہیں۔

(۳) شہرت پسندی بدعات کے شیوع کا تیسرا سبب حب جاہ اور شہرت پسندی کا جذبہ ہے یہ ایک نفسیاتی بیماری ہے لوگ ہر نئی چیز کو ـــــ بشرطیکہ اس پر کوئی خوشنما غلاف چڑھا دیا گیا ہو ـــــ دوڑ کر اچکتے ہیں اس لیے شہرت پسندی کے خواہاں دین میں جدتیں پیدا کرتے اور بدعتیں ایجاد کرتے رہتے ہیں، اس لیے علمائے حقانی کا فرض منصبی ہے کہ جاہ پرست علماء اور شہرت پسند صوفیا کی ایجاد کردہ بدعتوں سے لوگوں کو آگاہ کریں۔

(۴) مداہنت بدعات کے پھیلنے کا چوتھا سبب مداہنت فی الدین ہے یعنی علماء کا غلط اور منکر باتوں پر نکیر نہ کرنا، اور چشم پوشی سے کام لینا، کیوں کہ جب علماء غلط اور منکر باتوں پر نکیر نہیں کریں گے، اور چشم پوشی سے کام لیں گے تو معتقدین سکوت کو جواز پر محمول کر کے ان منکرات پر بے جھجک عمل شروع کر دیں گے، اس لیے علمائے حقانی پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ خیر خواہی کے جذبہ سے شفقت و مہربانی کے ساتھ لوگوں کو بھلی باتوں سے اور سنت سے آگاہ کریں، اور بدعات و منکرات پر نکیر کرتے رہیں، ارشاد ربانی ہے کہ:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (آل عمران آیت ۱۰۴)

تم میں ایک جماعت ضرور ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلایا کرے، اور نیک کام کرنے کو کہا کرے، اور برے کاموں سے روکا کرے اور ایسے ہی لوگ پورے کامیاب ہیں۔

(۵) اتباعِ ہوٰی بدعات کے پھیلنے کا ایک اہم سبب اتباع ہوی یعنی خواہش نفس کی پیروی ہے دنیا میں جتنی قومیں گمراہ ہوئی ہیں ان کا واحد سبب اتباع ہوی ہے، اس لیے شریعت نے لوگوں کو خواہش نفس کی پیروی کرنے سے سختی کے ساتھ روکا ہے، مگر پھر بھی وقتاً فوقتاً کچھ لوگ ایسے پیدا ہوتے رہتے ہیں جو خواہش نفس کی پیروی کر کے خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں، اس لیے علمائے حقانی کا یہ فریضہ ہے کہ لوگوں کو گمراہ جماعتوں سے آگاہ کرتے رہیں اور ان کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں کی تردید میں کوتاہی نہ کریں۔

سنّت و بدعت کی بحث

سنت کی اہمیت و فضیلت اور بدعت کی قباحت و شناعت اظہر من الشمس ہے ارشاد ربانی ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (آل عمران آیت ۳۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجیے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے، اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دیں گے، اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے اور مہربان ہیں

∴ ∴ ∴ ∴

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ

جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جو شخص روگردانی کرے

حَفِیْظًا (النساء آیت ۸۰)

سو ہم نے آپ کو ان کا نگراں بنا کر نہیں بھیجا

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ (سورہ محمد آیت ۳۳)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو، اور (اللہ اور رسول کی مخالفت کرکے) اپنے اعمال کو برباد مت کرو۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂

نیز ارشاد خداوندی ہے

وَمَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ۔ (حشر آیت ۷)

اور رسول تم کو جو کچھ دیں اس کو لے لو، اور جس چیز سے تم کو روکیں اس سے رک جاؤ، اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ تعالیٰ (مخالفت کرنے پر) سخت سزا دینے والا ہے

ان تمام آیات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت، اتباع اور امتثالِ امر کی اہمیت اور تاکید صاف معلوم ہوتی ہے، اور اللہ کے رسول کے طریقہ کو چھوڑ کر دوسروں کا چلایا ہوا طریقہ اپنانا خواہ کلی طور پر ہو یا کسی خاص بات میں ممنوع ہے، ارشاد ربانی ہے

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ، ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (انعام آیت ۱۵۳)

اور یہ کہ یہ دین تیرا راستہ ہے جو سیدھا ہے پس تم اس راہ پر چلو، اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی اس کا تم کو اللہ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم (دوسری راہوں سے) بچو

⁂ ⁂ ⁂ ⁂

نیز ارشاد خداوندی ہے

وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ م بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی

اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا اس کے بعد کہ اس کے سامنے ہدایت کا راستہ ظاہر ہو چکا ہے اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر

وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا (سورہ نساء آیت ۱۱۵)

دوسرے راستہ پر چلے گا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی

ان آیات قرآنی سے معلوم ہوا کہ راہ خداوندی، طریقہ نبوی اور سواد اعظم کی روش کو چھوڑ کر کوئی اور روش اپنانا خواہ عقائد میں ہو یا اعمال میں، درجہ بدرجہ نہایت ناپسندیدہ عمل ہے۔

قرآن کریم کے علاوہ احادیث شریفہ میں بھی سنت کی اہمیت اور بدعت کی قباحت کو مختلف انداز سے سمجھایا گیا ہے، ذیل میں چند حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں۔

① حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وصیت کی درخواست کی تو آپؐ نے فرمایا:

اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَاِنَّهٗ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرٰى اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ، تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (مشکوٰۃ شریف ص۳۰)

میں تم کو تاکیدی حکم دیتا ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا اور امیر کی بات سننے اور اس کی اطاعت کرنے کا، اگرچہ وہ حبشی غلام ہو، کیوں کہ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت اختلافات دیکھے گا، پس تم لازم پکڑو میری سنت کو اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے تھام لو اس کو اور ڈاڑھوں سے پکڑ لو اس کو اور نئی نئی باتوں سے بچو، کیونکہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

② اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فان خير الحديث كتاب الله وخير

بہترین بات اللہ کا کلام (قرآن مجید) ہے،

اَلْهَدْیِ هَدْیُ مُحَمَّدٍ وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا، وَکُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (مشکوٰۃ شریف ص۲۷)

اور بہترین طریقۂ زندگی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طریقۂ زندگی ہے، اور بدترین چیز بدعات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کُلُّ اُمَّتِیْ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰی، قِیْلَ وَمَنْ اَبٰی، قَالَ مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبٰی (حوالۂ بالا)

میری پوری امت جنت میں داخل ہوگی مگر جس نے انکار کیا، آپؐ سے دریافت کیا گیا کس نے انکار کیا؟ آپؐ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یَابُنَیَّ اِنْ قَدَرْتَ اَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِیَ وَلَیْسَ فِیْ قَلْبِکَ غِشٌّ لِاَحَدٍ فَافْعَلْ ثُمَّ قَالَ یَا بُنَیَّ وَذٰلِکَ مِنْ سُنَّتِیْ وَمَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیْ فِی الْجَنَّةِ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۳۰)

اے بیٹے! اگر تو قدرت رکھتا ہے کہ صبح اور شام اس حال میں کرے کہ تیرے دل میں کسی شخص کی طرف سے کھوٹ اور کدورت نہ ہو تو ایسا کر، پھر آپؐ نے فرمایا: اے بیٹے! یہ میری سنت ہے، اور جو شخص میری سنت سے محبت کرتا ہے بے شک وہ مجھ سے محبت کرتا ہے، اور جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

(۵) حضرت ابوہریرہ رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

مَنْ تَمَسَّکَ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِیْدٍ (حوالہ بالا)

جس نے میری سنت کو مضبوطی سے تھاما جبکہ میری امت میں بگاڑ پیدا ہو چکا ہو تو اس کیلئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔

⑥ امام مالک بن انسؒ مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا، كِتَابَ اللّٰهِ وَ سُنَّةَ رَسُولِهِ (مشکوٰۃ شریف ص۳۱)

میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو گے، وہ دو چیزیں اللہ کی کتاب اور اسکے رسول کی سنت ہیں۔

⁂ ⁂ ⁂

⑦ نیز آپؐ کا ارشاد ہے کہ

مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ أَعَانَ عَلٰى هَدْمِ الْاِسْلَامِ (حوالۂ بالا)

جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی بے شک اس نے اسلام کو ڈھانے میں مدد کی۔

⑧ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ لِصَاحِبِ بِدْعَةٍ صَوْمًا وَلَا صَلٰوةً وَلَا صَدَقَةً وَ لَا حَجًّا وَلَا عُمْرَةً وَلَا جِهَادًا وَلَا صَرْفًا وَلَا عَدْلًا، يَخْرُجُ مِنَ الْاِسْلَامِ كَمَا تَخْرُجُ الشَّعْرَةُ مِنَ الْعَجِيْنِ (سنن ابن ماجہ ص۶)

اللہ تعالیٰ بدعتی کا نہ روزہ قبول فرماتے ہیں نہ نماز، نہ صدقہ، نہ حج، نہ عمرہ نہ جہاد نہ کوئی فرض عبادت نہ نفل عبادت، وہ اسلام سے اس طرح نکل جاتا ہے جس طرح گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکل جاتا ہے

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

⑨ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَا أَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً اِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ، فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِنْ اِحْدَاثِ بِدْعَةٍ (مشکوٰۃ شریف ص۳۱)

جب کوئی قوم کوئی بدعت ایجاد کرتی ہے تو اس کی مثل سنت اٹھالی جاتی ہے، پس چھوٹی سے چھوٹی سنت پر عمل کرنا کوئی بدعت ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔

⑩ ایک اور روایت میں ہے کہ

مَا ابْتَدَعَ قَوْمٌ بِدْعَةً فِي دِينِهِمْ

جب کوئی قوم اپنے دین میں کوئی بدعت گھڑ

الَّا نَزَعَ اللّٰہُ مِنْ سُنَّتِہِمْ مِثْلَہَا ثُمَّ لَا یُعِیْدُہَا اِلَیْہِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ (حوالہ بالا)

لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی بقدر سنت ان سے چھین لیتے ہیں، پھر قیامت تک اس کو ان کی طرف واپس نہیں لوٹاتے۔

(۱۱) عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ہٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَہُوَ رَدٌّ مُتَّفَقٌ علیہ (مشکوۃ شریف ص۲۷)

جس نے ہمارے اس دین میں ایسی چیز ایجاد کی جو اس میں سے نہیں ہے وہ مردود ہے۔

(۱۲) حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

اَلْمَدِیْنَۃُ حَرَامٌ مَا بَیْنَ عَیْرٍ اِلٰی ثَوْرٍ فَمَنْ اَحْدَثَ فِیْہَا حَدَثًا اَوْ اٰوٰی مُحْدِثًا فَعَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ لَا یُقْبَلُ مِنْہُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ مُتَّفَقٌ علیہ۔ (مشکوۃ ص۲۳۸ باب حرم المدینہ)

مدینہ منورہ مقام عَیر سے مقام ثور تک حرم ہے، پس جس نے اس میں کوئی بدعت ایجاد کی، یا کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور لوگوں کی سب کی لعنت ہے نہ اس کی فرض عبادت قبول کی جاتی ہے نہ نفل عبادت۔

ان ارشادات سے ہر شخص بخوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ شریعت کی نگاہ میں سنت کی کتنی اہمیت ہے اور بدعت کتنی مبغوض و مذموم چیز ہے۔

بدعت کی قباحت کی وجوہ

رہا یہ سوال کہ بدعت اسقدر مبغوض کیوں ہے؟ اس پر اکابر امت نے طویل کلام کیا ہے، یہاں اختصار کے ساتھ چند وجوہ پیش کی جاتی ہیں۔

پہلی وجہ بدعت کی نحوست اور تاریکی لوگوں کو سنت کے نور سے محروم کر دیتی ہے، جیسا کہ حدیث ۹ اور ۱۰ سے ظاہر ہے، یہی وجہ ہے کہ حامیان بدعت جتنا بدعت کا اہتمام کرتے ہیں اتنا سنت کا نہیں کرتے۔

دوسری وجہ بدعت کے علاوہ آدمی جو بھی گناہ کرتا ہے اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ میں ایک غلط کام کر رہا ہوں، وہ اس پر پشیماں ہوتا ہے، اور اس سے

توبہ کرلیتا ہے، مگر بدعت ایسا منحوس گناہ ہے کہ کرنے والا اس کو گناہ ہی نہیں سمجھتا، بلکہ نیکی سمجھتا ہے، اس لیے اس کو اپنی غلطی کا کبھی احساس نہیں ہوتا، اور مرتے دم تک توبہ سے محروم رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے گناہگاروں کو توبہ کی توفیق ہوجاتی ہے، مگر بدعت کے مریض کو کبھی شفا نہیں ہوتی، الّا یہ کہ خدا تعالیٰ کی خاص رحمت اس کی دستگیری کرے، اور اس کی برائی اس کے سامنے کھل جائے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اِنَّ اللّٰہَ حَجَبَ التَّوْبَۃَ عَنْ کُلِّ صَاحِبِ بِدْعَۃٍ رواہ الطبرانی فی الاوسط (مَجْمَعُ الزَّوَائِد ص ۱۸۹ ج ۱۰)	بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر بدعتی سے توبہ کو روک دیا ہے۔

تیسری وجہ دین اسلام کی تکمیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہوچکی، اور وہ تمام باتیں جن سے حق تعالیٰ شانہٗ کا قرب اور رضا حاصل ہوسکتی تھی ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادیا، اب جو شخص دین کے نام پر کوئی بدعت گھڑ کر لوگوں کو اس کی دعوت دیتا ہے، وہ گویا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین نعوذ باللہ ناقص اور ادھورا ہے اور آپ نے احکام خداوندی پہنچانے میں خیانت کی ہے اور قرب و رضائے خداوندی کا جو راستہ اس بے وقوف کو معلوم ہوا ہے، وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہیں ہوا، یا وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ شریعت کا جو فہم اور منشائے خداوندی کا جو ادراک اس کو ہوا ہے، وہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا، نہ صحابہ کرام کو نہ تابعین عظام کو، الغرض جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام اور تابعین عظام نے نہیں کیا، آج جو شخص اس کو عبادت اور دین بتاتا ہے وہ نہ صرف سلف صالحین پر بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فہم و ادراک پر حملہ کرتا ہے، اور اپنی فہم کو ان کی فہم پر ترجیح دیتا ہے، ابن ماجشون کہتے ہیں کہ میں نے امام مالکؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ:

مَنِ ابْتَدَعَ فِی الْاِسْلَامِ بِدْعَۃً یَرَاھَا حَسَنَۃً فَقَدْ زَعَمَ اَنَّ مُحَمَّدًا	جو شخص دین اسلام میں کوئی بدعت ایجاد کرتا ہے، اور اس کو اچھا سمجھتا ہے، وہ گمان

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَانَ الرِّسَالَۃَ لِاَنَّ اللّٰہَ یَقُوْلُ: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ فَمَا لَمْ یَکُنْ یَوْمَئِذٍ دِیْنًا، فَلَا یَکُوْنُ الْیَوْمَ دِیْنًا (الاعتصام ص۴۹ ج۱)

کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے احکامِ خداوندی کے پہنچانے میں خیانت کی ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، پس جو بات اس وقت دین نہیں تھی، وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتی۔

چوتھی وجہ بدعت کے مذموم و مبغوض ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ بدعت سے دین میں تحریف و تغیر لازم آتا ہے، پس جو لوگ بدعات ایجاد کرتے ہیں وہ دراصل دینِ اسلام کے چہرے کو مسخ کرتے ہیں، اور اس میں تحریف و تغیر کرتے ہیں اور دوسروں کے لیے تحریف و تبدل کا راستہ کھولتے ہیں، حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اِنِّیْ فَرَطُکُمْ عَلَی الْحَوْضِ مَنْ مَرَّ عَلَیَّ شَرِبَ، وَمَنْ شَرِبَ لَمْ یَظْمَأْ اَبَدًا لَیَرِدَنَّ اَقْوَامٌ اَعْرِفُہُمْ وَیَعْرِفُوْنَنِیْ ثُمَّ یُحَالُ بَیْنِیْ وَبَیْنَہُمْ فَاَقُوْلُ اِنَّہُمْ مِنِّیْ فَیُقَالُ اِنَّکَ لَا تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ فَاَقُوْلُ سُحْقًا سُحْقًا لِّمَنْ غَیَّرَ بَعْدِیْ، متفق علیہ (مشکوٰۃ شریف ص۴۸۸ باب الحوض والشفاعۃ)

بے شک میں تمہارا پیش رو ہوں گا حوض کوثر پر، جو شخص میرے پاس آئے گا وہ اس کا پانی پیے گا، اور جو اس کا پانی پیے گا وہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا، یقیناً کچھ لوگ میرے پاس آئیں گے، جن کو میں پہچانتا ہوں گا، اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے، پھر میرے اور ان کے درمیان آڑ کر دی جائے گی تو میں کہوں گا یہ تو میرے آدمی ہیں، مجھے جواب دیا جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتے انہوں نے آپ کے بعد کیا ایجاد کیا، پس میں کہوں گا خدا کی پھٹکار خدا کی پھٹکار ان لوگوں پر جنہوں نے میرے بعد میرے دین کو بدل ڈالا۔

سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِيْ سے معلوم ہوا کہ بدعت گھڑ لینے سے دین میں تحریف وتغیر لازم آتا ہے اس لیے شریعت کی نگاہ میں کفر وشرک کے بعد سب سے زیادہ مبغوض چیز بدعت ہے،

سنّت وبدعت کی تعریفات

سنت کی اہمیت اور بدعت کی قباحت پہچاننے کے بعد اب دونوں کی تعریفات ان کے اقسام اور ان کو پہچاننے کے لیے قواعد وضوابط کا جاننا ضروری ہے، طلبہ کے لیے سب سے اہم بحث یہی ہے، اس لیے اس کو قدرے تفصیل سے لکھا جاتا ہے، طلبہ کو چاہیے کہ اس کو بغور پڑھیں اور یاد کریں۔

سنت کے لغوی معنیٰ لفظ سنت کا مادّہ ہے سین اور دونون، اس مادہ کے اصلی معنیٰ ہیں جَرَيَانُ الشيءِ واطِّرادُہ[1] فی سهولةٍ[2]: کسی چیز کا بہنا اور آسانی کے ساتھ جاری ہونا، یہ مادہ جہاں جہاں پایا جاتا ہے سب جگہ یہ بنیادی معنیٰ ضرور موجود ہوتے ہیں مثلاً:

① سَنَنْتُ الماءَ (ن) سَنًّا علی وجهی: میں نے اپنے چہرے پر آہستہ آہستہ پانی گرایا جو سہولت کے ساتھ بہتا چلا گیا۔

② نیز جب آپ لوہے کو سان پر چلا کر تیز کرتے ہیں تو کہتے ہیں سَنَنْتُ الحَدِيْدَةَ (ن) سَنًّا میں نے سان سے لوہا تیز کیا یعنی لوہے کو سان پر چلایا۔

③ رَجُلٌ مَسْنُوْنُ الوَجْهِ: کتابی یعنی لمبوترے چہرے والا آدمی كَاَنَّ اللَّحْمَ قَدْ سُنَّ علی وجهِهٖ گویا گوشت اس کے چہرے پر بہا دیا گیا ہے۔

④ حَمَأٌ مَسْنُوْنٌ: بدبودار کیچڑ كَاَنَّهٗ قَدْ صُبَّ صَبًّا: گویا اس میں خوب پانی انڈیلا گیا ہے۔

---

[1] اِطِّرَادُ الانهار: جاری ہونا [2] مقاييس اللغة لابن فارس مادہ سَنَّ ۱۲

⑤ امض علیٰ سَنَنِکَ وَسُنَنِکَ : اپنی روش پر چلتا رہ۔
⑥ کہا جاتا ہے جَاءَتِ الرِّیْحُ عَلیٰ سَنَائِنَ ہوا ایک ہی انداز پر چلتی رہی۔
⑦ قرآن کریم میں متعدد جگہ سنت اللہ کا ذکر آیا ہے جس کے معنیٰ ہیں عادت جاریہ، علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

ھی العَادَۃُ الَّتِیْ تَتَضَمَّنُ ان یفعل فی الثَّانِیْ مِثْلَ مَا فَعَلَ بِنَظِیْرِہٖ فِی الاوّلِ (مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ ج۲ ص۱۳)	سنت وہ عادت ہے جس میں یہ بات پائی جائے کہ دوسرے معاملہ میں بھی ایسا ہی فیصلہ کرے جیسا کہ اس کی نظیر میں پہلی بار کیا تھا،

خود علامہ نے اپنی اس عبارت کا خلاصہ یہ نکالا ہے کہ یَحْکُمُ فِی الْاُمُوْرِ الْمُتَمَاثِلَۃِ بِاَحْکَامٍ مُتَمَاثِلَۃٍ : ایک جیسے معاملات میں ایک جیسے فیصلے کرنے کا نام "عادت" ہے پس عادت جاریہ میں جو لفظ "جاریہ" ہے وہ صفتِ کاشفہ ہے،

۸۔ سنت کے مشہور معنیٰ ہیں سیرت اور طریقہ، خالد بن زہیر ہُذَلی کہتا ہے ؎

فَلَا تَجْزَعَنْ مِنْ سُنَّۃٍ اَنْتَ سِرْتَھَا	فَاَوَّلُ رَاضٍ سُنَّۃً مَنْ یَّسِیْرُھَا[2]

ترجمہ : تو ہرگز نہ گھبرا کسی ایسے طریقہ سے جس پر تو چل رہا ہے، کیوں کہ کسی طریقہ کو سب سے پہلے وہی شخص پسند کرتا ہے جو اس پر چلتا ہے۔

الغرض اس مادہ کے مختلف استعمال آپ کے سامنے ہیں، سب میں جاری ہونے اور چلتے رہنے کے معنیٰ قدرے مشترک ہیں، اور یہ سب لغوی معنیٰ ہیں۔

سنت کے اصطلاحی معنیٰ

سنت کے اصطلاحی معنیٰ تین[3] ہیں۔

① فن حدیث اور اصول فقہ کی اصطلاح میں سنت ان باتوں کو کہتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں، خواہ وہ آپ کے ارشادات ہوں، یا آپؐ کا کیا ہوا کوئی کام ہو یا آپ کی فرمائی ہوئی کوئی تائید ہو ــــــ اور متقدمین کے نزدیک تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال و افعال بھی سنت

---

[1] مقاییس اللغۃ مادہ سَنّ [2] مقاییس اللغۃ ۱۲

کے مصداق میں داخل تھے، اور یہی احناف کی رائے ہے، لیکن متأخرین نے امام شافعیؒ کی رائے سے متأثر ہو کر صحابہ کرامؓ کے اقوال وافعال کو سنت سے خارج کر دیا، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ کے شروع میں تحریر فرماتے ہیں کہ

والمُرَادُ ..... بِالسُّنَّةِ مَاجَاءَ عن النبی صلی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ من اقوالہٖ وافعالہٖ وتقریرہٖ ومَا ھَمَّ بفعلہٖ والسُّنَّۃُ فی اصل اللغۃ الطریقۃُ وفی اصطلاح الاصولیین والمحدثین ما تقدم (فتح الباری ص ۲۴۵ ج ۱۳)	سنت سے مراد وہ چیزیں ہیں جو نبی کریم ﷺ سے مروی ہیں، یعنی آپ کے اقوال وافعال اور آپ کی تائیدات اور وہ چیزیں جن کے کرنے کا آپؐ نے ارادہ فرمایا، اور سنت کے اصل لغوی معنیٰ ہیں: طریقہ، اور اصولی حضرات اور محدثین کے نزدیک سنت کے معنیٰ وہ ہیں جو پہلے بیان ہو چکے۔

اور علامہ ابو اسحاق شاطبی مالکی رحمہ اللہ "الموافقات" میں ارقام فرماتے ہیں کہ:

یطلق لفظُ السُّنَّۃِ علی ماجاء منقولاً عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی الخصوص مما لم یُنَصَّ علیہ فی الکتاب العزیز	سنت کا لفظ ان امور کے لیے بولا جاتا ہے جو صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، اور قرآن پاک میں ان کو بیان نہیں کیا گیا۔

نور الانوار میں ہے۔

السُّنَّۃ: تطلق علی قول الرسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم وفعلہ وسکوتہ وعلی اقوال الصحابۃ وافعالھم (ص ۱۷۵)	سنت کا اطلاق رسول اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل اور سکوت پر ہوتا ہے، اور صحابہ کرام کے اقوال وافعال پر بھی۔

وجہ تسمیہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال وتقریرات کو سنت اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ امت میں جاری ہوتے ہیں، یعنی امت کے لیے وہ ایک معمول اور دستور العمل ہیں، اصول فقہ کی کتابوں کے اغاز میں جو چار اصول شرع کا تذکرہ آتا ہے

جن میں دوسرا نمبر سنت کا ہے اس سے سنت کے یہی معنی مراد ہیں

(۲) علم فقہ کی اصطلاح میں سنت احکام خمسہ (فرض[۱]، واجب[۲]، سنت[۳]، حرام[۴] اور مکروہ تحریمی[۵]) میں سے ایک حکم ہے، پس فقہائے کرام کے نزدیک سنت وہ حکم شرعی ہے جو فرض اور واجب نہ ہو، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہ کرام نے اس پر عمل کیا ہو، مراقی الفلاح میں ہے

والسُّنَّةُ لغةً الطريقةُ ولو سيِّئةً واصطلاحًا الطريقة المسلوكةُ في الدين من غير لزوم۔

(طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۳۵)

سنت کے لغوی معنی ہیں طریقہ اگرچہ بُرا ہو، اور اصطلاح میں ایسے دینی طریقہ کو کہا جاتا ہے جس کو لازم قرار دیئے بغیر اپنایا گیا ہو،

اور دستور العلماء میں ہے:

والسُّنَّةُ بضم الاول وتشديد الثانی فی اللغة الطريقةُ مَرضِيَّةً اوغيرَ مَرضِيَّةٍ، وفی الشرع هی الطريقةُ المسلوكةُ الجاريةُ فی الدّين من غير افتراضٍ ولا وجوبٍ سواءٌ سَلَكَها الرسولُ عليه الصلوٰة والسلام اوغيرُهٗ مِمّن هو عَلَمٌ فی الدين

(دستور العلماء ص۱۸۴ ج۲)

سنت پہلے حرف کے ضمہ اور دوسرے حرف کی تشدید کے ساتھ) لغت میں طریقہ کو کہا جاتا ہے خواہ پسندیدہ ہو یا ناپسندیدہ، اور شریعت میں وہ اپنایا ہوا رائج دینی طریقہ ہے جو فرض اور واجب نہ ہو، خواہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنایا ہو یا آپ کے علاوہ ایسی شخصیت نے اپنایا ہو جو دین میں ممتاز درجہ رکھتا ہو (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو اپنایا ہو)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

والسُّنَّةُ عند الحنفية ما فعلهٗ صلی اللہ عليه وسلم او صَحْبُهٗ بَعْدَهٗ (ص۳۶)

احناف کے نزدیک سنت وہ عمل ہے جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو، یا آپؐ کے بعد آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا ہو۔

وجہ تسمیہ اور فرض و واجب کے علاوہ احکام شرعیہ کو سنت اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بھی امت میں رائج اور معمول بہا ہوتے ہیں۔

(۳) اور عرف شرع میں سنت ان اقوال و اعمال اور عقائد کو کہا جاتا ہے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضؓ نے اپنایا ہے، حافظ ابن رجب حنبلی ارشاد نبوی عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ و سُنَّۃِ الخلفاءِ الراشدین کی وضاحت کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ:

والسُّنَّۃُ ھی الطریقُ المسلوکُ فیَشْمُلُ ذالک التَّمَسُّکَ بما کان علیہ ھو وخلفائہُ الراشدون من الاعتقاداتِ والاعمالِ والاقوالِ وبھٰذہٖ ھی السُّنَّۃُ الکاملۃُ، و لھٰذا کان السلفُ قدیمًا لا یُطلقون اسمَ السُّنَّۃِ الا علی ما یشمُلُ ذالک کلہ (جامع العلوم والحکم ص۱۸۹)	سنت وہ طریقہ ہے جس کو اپنایا گیا ہو، پس یہ ارشاد نبوی ان عقائد اور اعمال و اقوال کو مضبوطی سے تھامنے کو شامل ہوگا جن پر آپؐ اور آپؐ کے خلفائے راشدین گامزن تھے اور یہی سنت کاملہ ہے، اسی لیے اسلاف قدیم زمانہ میں لفظ سنت کا اطلاق ایسے معنیٰ پر کرتے تھے جو ان سب باتوں کو شامل ہو

اور علامہ شاطبی مالکی رحمہ اللہ سنت کے مختلف معنیٰ بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں

وَیُطلَقُ ایضًا فی مقابلۃِ البدعۃ فیقال ،، فلانٌ علیٰ سُنَّۃٍ ،، اذا عَمِلَ علیٰ وفق ما عَمِلَ علیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کان ذالک مِمَّا نُصَّ علیہ فی الکتاب اولا، ویقال ،، فلانٌ علیٰ بدعۃٍ ،، اذا عمل علیٰ خلاف ذٰلک۔	نیز سنت کا لفظ بدعت کے مقابلے میں بھی بولا جاتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ،، فلاں سنت پر ہے ،، جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے موافق کام کرے، چاہے وہ کام قرآن پاک میں صراحۃً بیان کیا گیا ہو، یا بیان نہ کیا گیا ہو، اور کہا جاتا ہے کہ ،، فلاں بدعت پر ہے ،، جب وہ اس کے خلاف کام کرے
وَیُطلَقُ ایضًا لفظ السُّنَّۃِ علیٰ ما عمل علیہ الصحابۃ،	نیز لفظ سنت کا اطلاق اس کام پر بھی ہوتا ہے جس کو صحابۂ کرام نے کیا ہے، چاہے

وُجِدَ ذالکَ فی الکتاب اَوِالسُّنَّةِ او لم یوجد، لکونہ اتباعًا لِسُنَّةٍ ثبتت مندھو لو تُنُقِّلَ الینا اواجتھادًا اُجْتُمِعَ علیہ (الموافقات ص۴)

وہ کام کتاب وسنت میں صراحۃً موجود ہو یا صراحۃً موجود نہ ہو، کیوں کہ وہ کام ایسی سنتِ نبوی کی اتباع کی وجہ سے ہوگا جو ان کے نزدیک ثابت ہے اور ہم تک وہ سنت منقول ہو کر نہیں پہنچی، یا متفق علیہ اجتہاد کی بنا پر ہوگا۔

محدث عصر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نوّر اللہ مرقدہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ارشاد اَلْوِتْرُ لَیْسَ بِحَتْمٍ کَصَلَاتِکُمُ الْمَکْتُوْبَةِ لٰکِنْ سَنَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی وضاحت کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ:

لا یصحّ ان یستدلّ بھذا علیٰ انّ الوتر لیس بواجب، لانّ لفظ السُّنَّةِ فی تعبیر الشریعۃ یرادُ بھا الطریقۃُ المسلوکۃُ، لا السُّنَّةُ التی اصطلح علیھا فقھاء الامّۃ فانّ الاطلاقَ بالمعنیٰ المُصْطَلح مستحدث، ربما نَجِدُ اطلاق السُّنَّةِ علی الفرائضِ المتفق علیھا، ونظائرھا کثیرۃ جدًّا (معارف السنن ص۱۷۹ ج۴)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس ارشاد سے یہ استدلال کرنا درست نہیں ہے کہ وتر واجب نہیں (بلکہ سنت ہے) اس لیے کہ عرفِ شرع میں لفظ سنت سے مراد ایسا طریقہ ہوتا ہے جس کو اپنایا گیا ہو، سنت کے وہ معنیٰ مراد نہیں جو فقہائے امت نے وضع کیے ہیں کیوں کہ سنت کا اصطلاحی معنیٰ میں استعمال حادث ہے، اور بہت سی جگہ ہم دیکھتے ہیں کہ سنت کا اطلاق متفق علیہ فرائض پر کیا جاتا ہے، اور اس کی نظیریں بے شمار ہیں۔

اور حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانوی تحریر فرماتے ہیں کہ:

"سنت طریقہ کو کہتے ہیں، پس عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات اور عادات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طریقہ اپنایا وہ "سنت" ہے اور اس کے خلاف بدعت ہے"

(اختلاف امت اور صراط مستقیم ص۹۵)

الغرض یہ سنت کے شرعی معنیٰ ہیں، اور علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین میں سنت کے یہی معنیٰ مراد ہیں، اور بدعت کے مقابلہ میں جب سنت کا لفظ بولا جاتا ہے تو یہی معنیٰ مراد ہوتے ہیں، اور اس سے پہلے سنت کے جو معنیٰ بیان کیے گئے ہیں وہ فقہائے کرام کی مخصوص اصطلاح ہے

معجم لغۃ الفقہاء[1] میں ہے۔

السُنَّۃُ: بضمّ اولہ وفتح ثانیہ ج سُنَن الطریقۃ والسیرۃ

• عند الاصولیین: ما اُثِرَ عن رسول اللہ من قول او فعل او تقریر، وعند المحدثین: ما اُثِرَ عن رسول اللہ من قولٍ او فعلٍ او تقریر او صفۃ، وعلیٰ ھذا فالسُنَّۃ اما قولیۃ واما فعلیۃ واما تقریریۃ واما وصفیۃ

• الطریقۃ المشروعۃ فی الدین ضد البدعۃ

• ما کان فی مشروعیۃ دون الواجب وفوق المندوب (ص۲۵)

سنت (پہلے حرف کے ضمہ اور دوسرے حرف کے فتحہ کے ساتھ) کے معنیٰ ہیں طریقہ اور سیرت

(۱) اور اصولیین کے نزدیک سنت وہ قول یا فعل یا تائید ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اور محدثین کے نزدیک وہ قول یا فعل یا تائید یا وصف ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اس تعریف پر سنت یا تو قولی ہوگی یا فعلی یا تائیدی یا وصفی۔

(۲) سنت وہ طریقہ ہے جو دین میں مشروع ہے بدعت کی ضد

(۳) سنت وہ حکم شرعی ہے جو واجب سے ادنیٰ اور مندوب سے اعلیٰ ہے۔

وجہ تسمیہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضؓ کے اقوال وافعال اور عقائد کو سنت اس لیے کہا جاتا ہے کہ امت کے لیے یہ باتیں دستور العمل ہیں، پس ان کا رواج اور چلن ہوا اس لیے ان کو سنت کا نام دیا گیا۔

بدعت کے لغوی معنیٰ ب، د، ع، کے بنیادی لغوی معنیٰ دو ہیں۔

(۱) کسی چیز کو بغیر سابق نمونہ کے بنانا، اور شروع کرنا، کہا جاتا

---

[1] یہ محمد رواس قلعجی اور حامد صادق قنیبی کی ترتیب دی ہوئی عربی انگریزی ڈکشنری ہے اور ادارۃ القرآن (بقیہ ص۲۷ پر)

ہے اَبْدَعْتُ الْقَوْلَ میں نے انوکھی بات کہی، اور اَبْدَعْتُ الْفِعْلَ میں نے نیا کام شروع کیا، ارشاد خداوندی ہے بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کو بغیر سابق نمونہ کے پیدا کیا، نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: مَا کُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ: میں کوئی انوکھا (بالکل نیا) رسول نہیں ہوں، اور امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

اَلْبِدْعَةُ کُلُّ شَیْءٍ عُمِلَ عَلٰی غَیْرِ مِثَالٍ سَبَقَ (مرقات ص۲۱۶ ج۱)

بدعت ہر وہ نئی چیز ہے جو سابق نمونہ کے بغیر بنائی گئی ہو

اور مُغرب میں ہے:

اَلْبِدْعَةُ اِسْمٌ مِنَ ابْتَدَعَ الْاَمْرَ اِذَا ابْتَدَاَهُ وَاَحْدَثَهُ (مغرب ص۳)

بدعت: ابتداع کا اسم ہے اور اِبْتَدَعَ الْاَمْرَ کے معنیٰ ہیں ابتدار کرنا اور ایجاد کرنا۔

(۲) کسی چیز کا ختم ہو جانا اور تھک جانا، کہا جاتا ہے اَبْدَعَتِ الرَّاحِلَةُ: اونٹنی تھک گئی اور ہلاک ہو گئی، حدیث شریف میں ہے:

اَنَّ رَجُلًا اَتَاهُ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّی اَبْدَعَ بِیْ فَاحْمِلْنِیْ۔ (ابوداؤد کتاب الادب)

ایک شخص نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میری اونٹنی ہلاک ہو گئی اور میں بے سہارا ہو گیا ہوں، پس آپ مجھے کوئی سواری عنایت فرمائیے

بدعت کے اصطلاحی معنیٰ

بدعت کے اصطلاحی معنیٰ علماء امت نے مختلف انداز سے بیان کیے ہیں، مگر وہ صرف تعبیر کا فرق ہے، سب کی عبارتوں کا خلاصہ ایک ہے، ذیل میں چند تعریفات پیش کی جاتی ہیں ان کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) امام نووی رحمہ اللہ نے بدعت کے اصطلاحی معنیٰ یہ بیان کیے ہیں۔

اَحْدَاثُ مَا لَمْ یَکُنْ فِیْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (مرقات ص۲۱۶ ج۱)

ایسی چیز ایجاد کرنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں تھی۔

(۲) اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے یہ تعریف کی ہے:

(بقیہ حاشیہ ص۲۶ کا) والعلوم الاسلامیہ کراچی سے شائع ہوئی ہے۔ ۱۲

البدعۃُ ما اُحْدِثَ ولم یکن لہٗ اصل فی الشرع (فتح الباری ۲۵۳/۱۳)

بدعت وہ چیز ہے جو نئی شروع کی گئی ہو اور شریعت میں اس کی کوئی اصل نہ ہو۔

(۳) امام شافعی علیہ الرحمۃ نے بدعت کی تعریف اسطرح کی ہے :

ما احدث یخالف کتابًا او سُنَّۃً او اثرًا او اجماعًا فھذہ بدعۃُ الضلال (حوالہ بالا)

جو چیز کتاب اللہ، یا سنت رسول اللہ، یا آثار صحابہ یا اجماع امت کے خلاف ایجاد کی گئی ہو وہ بدعت ضلالہ ہے۔

(۴) اور حافظ ابن رجب حنبلی لکھتے ہیں کہ :

المرادُ بالبدعۃ ما اُحْدِثَ مما لا اصلَ لہٗ فی الشریعۃ یَدُلُّ علیہ، اَمّا ما کان لہ اصل من الشرعِ یَدُلُّ علیہ فلیس ببدعۃ، وان کانَ بدعۃً لغۃً (جامع العلوم والحکم ص۱۹۳)

بدعت سے مراد ایسی نئی بات ہے جس کی شریعت میں کوئی ایسی اصل نہ ہو جو اس پر دلالت کرے، رہی وہ بات جس کی شریعت میں کوئی ایسی اصل ہو جو اس پر دلالت کرتی ہو تو وہ شرعًا بدعت نہیں ہے اگرچہ لغوی معنی کے اعتبار سے بدعت ہے۔

(۵) اور امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ :

والبدعۃ فی المذھب ایرادُ قول لم یسبق قائلُھا او فاعلُھا فیہ بصاحب الشریعۃ و اماثلِھا المتقدمۃِ واصولھا المتقنۃ (مفردات القرآن ص۳۵)

دین میں بدعت کے معنی ہیں: ایسی بات پیش کرنا جس کا کہنے والا یا کرنے والا صاحب شریعت کے نقش قدم پر نہ چلا ہو، اور شریعت کی سابق مثالوں اور اس کے محکم اصولوں پر گامزن نہ ہوا ہو۔

(۶) اور حافظ بدرالدین عینی ارقام فرماتے ہیں کہ :

والبدعۃُ فی الاصل احداثُ امرٍ لم یکن فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (عمدۃ القاری ج۵ ص۳۵۶)

بدعت اصل میں ایسی چیز کے ایجاد کرنے کو کہتے ہیں جس کا وجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ ہو۔

⑦ علامہ ابواسحاق شاطبی بدعت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

البدعة طريقةٌ في الدين	بدعت : دین میں ایجاد کیا ہوا وہ طریقہ ہے
مخترعةٌ تضاهي الشريعة	جو شریعت کے مشابہ ہو ، اور اس پر عمل
يُقصَدُ بالسلوك عليها ما	کرنے کا مقصد وہی ہو جو شرعی طریقہ کا ہوتا
يُقصَدُ بالطريقة الشرعية	ہے (یعنی فلاح دارین کے قصد سے
(الاعتصام ص۳۷ ج ۱)	اس پر عمل کیا جائے)

⑧ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی لکھتے ہیں کہ :

"بدعت کہتے ہیں ایسا کام کرنا جس کی اصل کتاب و سنت اور قرونِ مشہود لہا بالخیر میں نہ ہو ، اور اس کو دین اور ثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے" (فوائد عثمانی بر ترجمہ شیخ الہند ص۷۱۸)

⑨ اور مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ :

"بدعت ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کی اصل شریعت سے ثابت نہ ہو ، یعنی قرآن مجید اور حادیثِ شریفہ میں اسکا ثبوت نہ ملے ، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضؓ اور تابعین رحمہ اللہ اور تبعِ تابعین کے زمانہ میں اس کا وجود نہ ہو ، اور اس کو دین سمجھ کر کیا یا چھوڑا جائے"

(تعلیم الاسلام حصہ چہارم ص۲۷)

ان تمام تعریفوں کا حاصل یہ ہے کہ بدعت ایسے نئے دینی کام کو کہتے ہیں جس کے جواز کی کوئی دلیل شرعی نہ ہو ، یعنی قرآن ، حدیث ، اجماع اور قیاس شرعی میں سے کوئی اسکے جواز پر دلالت نہ کرے ——— اور امام نووی اور حافظ بدرالدین عینی نے جو یہ فرمایا ہے کہ "بدعت ایسی چیز کے ایجاد کرنے کو کہتے ہیں جس کا وجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ ہو" اس سے وجودِ خارجی مراد نہیں ہے ، بلکہ وجود شرعی مراد ہے ، اور وجودِ شرعی نام ہے "دلیل جواز کے ہونے" کا ، پس جس چیز کا جواز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل یا تقریر سے مراحۃً یا اشارۃً ثابت نہ ہو سکے ، اس کا وجود شرعی قیامت تک نہیں ہو سکتا ، اور جس چیز کا جواز آپؐ کے قول و عمل یا تقریر سے ثابت ہے اس کا وجودِ شرعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہو چکا ، چاہے اس کا ظہور بعد میں ہوا ہو ، لہذا حافظ بدرالدین عینیؒ اور امام نووی کی بیان کردہ تعریف کا حاصل

بھی یہی ہے کہ بدعت ایسے نئے دینی کام کو کہتے ہیں جس کے جواز کی کوئی دلیل شرعی نہ ہو چنانچہ فریق مخالف کے مشہور عالم مولوی محمد صالح صاحب بھی بدعت کی یہی تعریف کرتے ہیں کہ:

(۱۰) اصطلاح شرع میں بدعت اس چیز کو کہتے ہیں جو امور دینیہ سے سمجھی جائے مگر کسی دلیل شرعی سے اس کا ثبوت نہ ملتا ہو، نہ کتاب سے نہ احادیث نبویہ سے نہ اجماع مجتہدین سے نہ قیاس شرعی سے (تحفۃ الاحباب ص۹۵)

وجہ تسمیہ بدعت کے اصطلاحی معنیٰ اس کے دو لغوی معنیٰ میں سے پہلے معنیٰ سے ماخوذ ہیں۔

لفظ بدعت کا استعمال اوپر بدعت کے جو معنیٰ بیان کیے گئے ہیں وہ اصطلاحی معنیٰ ہیں یعنی شرعی معنیٰ ہیں، اور احادیثِ نبویہ میں جہاں کہیں لفظ بدعت آیا ہے وہاں یہی معنیٰ مراد ہیں، مگر قرونِ اولیٰ میں کبھی ہر نئی بات کو بدعت کہہ دیا جاتا تھا خواہ اس کے جواز کی دلیل ہو یا نہ ہو، جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تراویح کے بارے میں یہ ارشاد کہ:

نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ یہ کتنی اچھی بدعت ہے!

یہ لفظ بدعت کا لغوی معنیٰ میں استعمال ہے، اور بدعتِ لغوی بدعتِ شرعی سے عام ہے، امام شافعی رحمہ اللہ نے اسی عام معنیٰ کا لحاظ کر کے بدعت کی دو قسمیں کی ہیں، ایک بدعت محمودہ اور دوسری بدعت مذمومہ، فتح الباری میں ہے

قال الشافعی: البدعۃ بدعتان محمودۃ ومذمومۃ، فما وافق السنۃ فھو محمود وما خالفھا فھو مذموم (ص۲۵۳ ج ۱۳)

امام شافعی رح نے فرمایا کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں، بدعتِ محمودہ اور بدعتِ مذمومہ، پس جو سنت کے موافق ہو وہ محمود ہے اور جو سنت کے خلاف ہو وہ مذموم ہے،

اور علامہ عزّ الدین بن عبد السلام نے اسی عام معنیٰ کو پیش نظر رکھکر بدعت کی پانچ قسمیں کی ہیں، واجب، حرام، مندوب، مکروہ اور مباح، محدث جلیل حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ "براہین قاطعہ" میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"تمام علماء اول سے آخر تک متفق ہیں اس بات پر کہ بدعت لغت میں امر جدید کو کہتے ہیں، اور کتب شرعیہ میں جو اطلاق اس لفظ پر ہوتا ہے تو کسی جگہ تو اس کے معنیٰ یہ لیتے ہیں کہ جو امر بعد فخر عالم علیہ السلام کے حادث ہوا مطلقاً خواہ محمود ہو یا مذموم اعنی اس کے جواز کی دلیل شرع میں موجود ہو یا نہ ہو، اس کی دو قسمیں کرتے ہیں، قسم اول کو محمود کہ جس کی دلیل جواز کی شرع میں ہے دوسری مذموم کہ دلیل اس کے جواز کی نہیں، پس اول کو بدعت حسنہ نام رکھتے ہیں، اور ملحق بالسنۃ جانتے ہیں، اور دوسری قسم بدعت ضلالۃ ہے، پس یہ حد بدعت کی عام کہلاتی ہے ــــــــ اور کسی جگہ بدعت کے معنیٰ یہ ہوتے ہیں کہ جو امر حادث ہو خلاف طریقہ مرضیہ شارع علیہ السلام کے، یعنی اس کے جواز کی دلیل شریعت میں نہ ہو، اور یہ معنیٰ خاص ہیں، اور کتب شرعیہ میں اس سے ہی بحث ہوتی ہے" (براہین قاطعہ صنہ)

الحاصل عام معنیٰ یعنی لغوی معنیٰ کے اعتبار سے بدعت کبھی اچھی ہوتی ہے اور کبھی بُری، مگر خاص معنیٰ شرعی اصطلاح کے اعتبار سے بدعت کبھی اچھی نہیں ہوتی، ہمیشہ قبیح ہوتی ہے۔

بدعتِ اعتقادی اور بدعتِ عملی

بدعت شرعی کی دو قسمیں ہیں ایک بدعتِ اعتقادی اور دوسری بدعت عملی ــــــــ اعتقادی بدعت یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ ایسے عقائد و نظریات اختیار کرے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین کے عقائد و نظریات کے خلاف ہوں، جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب، حاضر و ناظر اور مختار کل ہیں، اسی طرح شیعہ، خوارج، معتزلہ، قدریہ اور جبریہ وغیرہ گمراہ فرقوں کے عقائد باطلہ، یہ سب اعتقادی بدعات ہیں اور یہ سب فرقے شرعی اصطلاح میں اہلِ بدعت ہیں، اصول حدیث کی کتابوں میں ان کے لیے یہی اصطلاح استعمال کی گئی ہے،

اور عملی بدعت یہ ہے کہ عقیدہ تو درست ہو، اور ایسے اعمال اختیار کرے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین سے منقول نہیں ہیں، جیسے مزاروں کو پختہ بنانا، ان پر گنبد تعمیر کرنا، اور قبروں پر چراغ روشن کرنا وغیرہ

کر کے بدعت کا ارتکاب کر رہا ہے۔

④ جو کام بذات خود مستحب اور مندوب ہے، مگر اس کا ایسا التزام کرنا کہ رفتہ رفتہ اس کو ضروری سمجھا جانے لگے، اور اس کے تارک کو ملامت کی جانے لگے تو وہ کام مستحب کے بجائے بدعت بن جاتا ہے مثلاً سلام پھیرنے کے بعد داہنی جانب گھوم کر مقتدیوں کی طرف متوجہ ہونا سنت ہے، مگر اس کا ایسا التزام کرنا کہ لوگ اسکو ضروری سمجھنے لگیں، اور تارک کو ملامت کرنے لگیں تو یہ مستحب عمل بدعت ہو جائے گا۔ یا مثلاً نماز جمعہ کی پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی اور دوسری رکعت میں ھَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَۃِ پڑھنا مسنون ہے، مگر اس کا ایسا التزام کرنا کہ لوگ اس کو ضروری سمجھنے لگیں اور تارک کو ملامت کرنے لگیں تو یہ مسنون عمل بدعت بن جائے گا۔

⑤ جو کام فی نفسہٖ جائز ہے، اگر اس کے کرنے میں کفار و فجار اور گمراہ لوگوں کی مشابہت لازم آئے تو اس کا کرنا ناجائز اور بدعت ہوگا کیوں کہ بہت سی احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار و فجار کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے، اس قاعدے سے معلوم ہوا کہ تمام وہ اعمال و افعال جو اہل بدعت کا شعار بن جائیں ان کا ترک لازم ہے بشرطیکہ وہ اعمال فرض اور واجب نہ ہوں، حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ مرقات شرح مشکوٰۃ میں ارقام فرماتے ہیں کہ:

اِنَّ کُلَّ سُنَّۃٍ تکون شِعَارًا لِاَھْلِ الْبِدْعَۃِ تَرْکُھَا اَوْلٰی (مرقات ص۶۳ ج ۴) ہر وہ سنت جو اہل بدعت کا شعار ہو اس کا ترک کرنا اولیٰ ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ، وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ، وَاَحْیِنَا عَلَی الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ وَاَمِتْنَا عَلَی الدِّیْنِ الْقَوِیْمِ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

محمد امین پالنپوری

۴ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ

شمس الاسلام

بابت سنہ ۱۴۱۵ھ

تیسرا محاضرہ علمیہ

بر موضوع

B

ردِّ رضاخانیت

پیش کردہ

حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالنپوری

استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ... اما بعد

دوسرے محاضرے میں بیان کیا گیا تھا کہ بدعت کی دو[۲] قسمیں ہیں :-

بدعتِ اعتقادی[۱] اور بدعتِ عملی[۲] ——— بدعتِ اعتقادی یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ ایسے عقائد ونظریات اختیار کرے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سلفِ صالحین کے عقائد ونظریات کے خلاف ہوں، جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ صلعم عالم الغیب، حاضر وناظر اور مختار کل ہیں ——— اور بدعتِ عملی یہ ہے کہ عقیدہ تو درست ہو البتہ اعمال ایسے اختیار کرے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سلفِ صالحین سے منقول نہیں ہیں، جیسے مزاروں کو پختہ بنانا، ان پر گنبد تعمیر کرنا، اور قبروں پر چراغ روشن کرنا وغیرہ۔

اس محاضرے میں رضاخانی فرقہ کے کچھ اعتقادی بدعات کا تذکرہ کیا جارہا ہے

(۱) علمِ غیب کا مسئلہ

"علم غیب" مرکب اضافی ہے، اس کو سمجھنے کے لیے اس کے دونوں اجزاء کو الگ الگ سمجھنا ضروری ہے، علم کی حقیقت تو سبھی حضرات جانتے ہیں۔ البتہ غیب کی وضاحت ضروری ہے جو درج ذیل ہے۔

غیب کی تعریف غیب اور مغیب دونوں غَابَ یَغِیْبُ کے مصدر ہیں، اور غَابَ الشَّیْءُ عَنْ فُلَانٍ کے معنیٰ ہیں پوشیدہ ہونا، پس غیب کے لغوی معنیٰ ہیں ایسی چیز جو ہم سے پوشیدہ ہو، اس کی جمع غُیُوْبٌ آتی ہے، اور مَغِیْبٌ کی جمع مَغَایِیْبُ ہے "قاموس میں ہے"

اَلْغَیْبُ مَا غَابَ عَنْکَ۔ غیب وہ چیز ہے جو آپ سے پوشیدہ ہو۔

اور مغرب میں ہے :-

اَلْغَیْبُ: مَا غَابَ عَنِ الْعُیُوْنِ وَ اِنْ کَانَ مُتَمَثِّلاً فِی الْقُلُوْبِ — غیب وہ ہے جو نگاہوں سے اوجھل ہو چاہے وہ دلوں میں موجود ہو۔

اور عرفِ شرع میں غیب ہر وہ چیز ہے جو بندوں سے پوشیدہ ہے، حافظ عماد الدین اسماعیل بن کثیر، سُدّی مفسّر کے حوالے سے ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی صحابہ کرامؓ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:

اَمَّا الْغَیْبُ: فَمَا غَابَ عَنِ الْعِبَادِ مِنْ اَمْرِ الْجَنَّةِ وَاَمْرِ النَّارِ وَمَا ذُکِرَ فِی الْقُرْآنِ (تفسیر ابن کثیر ص۴۰ ج ۱) — غیب: وہ ہے جو بندوں سے پوشیدہ ہو جیسے جنت اور دوزخ کے حالات اور جو کچھ قرآن پاک میں بیان کیا گیا ہے۔

ایک شبہ کا جواب غیب کی اس تعریف پر کسی کو اگر یہ شبہ ہو کہ جنت اور دوزخ وغیرہ کے حالات تو ہمیں معلوم ہیں، ان کو غیب کہنا کیوں کر درست ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وحی والہام کے ذریعہ جن امور غیبیہ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو مطلع فرمایا ہے اور انبیاء کرامؑ کے بتلانے سے ہم ان کو جانتے ہیں، وہ سب چیزیں ہم سے پوشیدہ ہیں، حواس ظاہرہ سے ہم ان کا ادراک کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے، اس لیے ان کو غیب کہنا درست ہے، قرآنِ پاک میں بھی ایسی چیزوں کو غیب کہا گیا ہے، ارشاد خداوندی ہے:۔

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ (سورہ بقرہ آیت ۳) — جو یقین کرتے ہیں بے دیکھی چیزوں کا (یعنی جو چیزیں ان کے عقل و حواس سے مخفی ہیں جیسے دوزخ، جنت ملائکہ وغیرہ ان سب کو اللہ اور رسول کے ارشاد کی وجہ سے حق اور یقینی سمجھتے ہیں (فوائد شیخ الہند)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جن امور غیبیہ کے کچھ احوال ہم جانتے ہیں ان کو بھی غیب ہی کہا جائے گا کیوں کہ وہ ہم سے پوشیدہ ہیں، اور ان کے کچھ حالات کا ہمیں جو علم ہے وہ انبیاء کرام کے توسط سے ہے اور انبیاء کرام کو وحی والہام کے ذریعہ حاصل ہوا ہے، حواس کا اس میں کوئی دخل نہیں۔

مغیبات کے جاننے کی چار قسمیں اور ان کے احکام

مغیبات کے جاننے کی بنیادی قسمیں دو ہیں، ذاتی اور عطائی، پھر عطائی کی دو قسمیں ہیں، محیط اور غیر محیط پھر محیط کی دو قسمیں ہیں، عام اور خاص، پس مغیبات کے جاننے کی کل چار قسمیں ہوئیں (۱) ذاتی (۲) عطائی محیط عام (۳) عطائی محیط خاص (۴) اور عطائی غیر محیط، نقشہ درج ذیل ہے

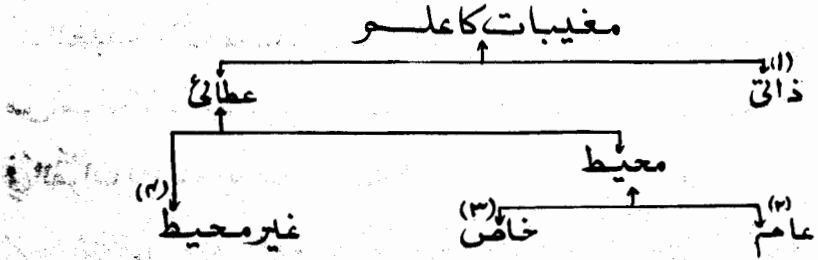

تمام قسموں کی مختصر وضاحت (۱) ,, علم ذاتی ,, خاص زاد علم کو کہتے ہیں یعنی ایسا علم جو کسی کا عطا کیا ہوا نہ ہو ——— (۲) علم عطائی ,, وہ علم ہے جو کسی ہستی کا عطا کیا ہوا ہو ——— (۳) ,, علم محیط عام ,, ازل سے ابد تک تمام چیزوں کے علم کلی کو کہتے ہیں ——— (۴) ,, علم محیط خاص ,, ابتدائے آفرینش سے جنت و جہنم میں داخل ہونے تک کی تمام چیزوں کے علم کلی کو کہتے ہیں، یعنی جب سے اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا کیا ہے، اس وقت سے لے کر جنتیوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہونے تک کی تمام چیزوں کا ایسا تفصیلی علم کہ کائنات حاضرہ اور غائبہ کی کوئی چیز مخفی اور پوشیدہ نہ رہے ——— (۵) اور ,, علم غیر محیط ,, سے مراد صرف بعض مغیبات کا علم ہے، یعنی غیب کی صرف ان باتوں کا علم جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص بندوں کو وحی و الہام کے ذریعہ مطلع فرمایا ہے ——— اس مختصر وضاحت کے بعد چاروں قسموں کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

(۱) علم ذاتی جو قومیں اللہ کو تمام مخلوقات کا خالق اور سارے عالم اور پوری کائنات کو اس کی مخلوق مانتی ہے، وہ سب یہ بھی تسلیم کرتی ہیں کہ کسی بھی مخلوق میں جو صفت ہے وہ خالق کی عطا کی ہوئی ہے، یہاں تک کہ مشرکین جو اپنے دیوتاؤں کے لیے الوہیت اور مستقل تصرف کی قدرت کا عقیدہ رکھتے ہیں، وہ بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے دیوتاؤں کو یہ صفات

اور یہ کمالات خدا ہی نے عطا کئے ہیں، کیوں کہ جن کا وجود ہی خانہ زاد نہیں ہے، بلکہ عطائے غیر ہے ان کے اوصاف و کمالات ذاتی اور خانہ زاد کیسے ہو سکتے ہیں ؟ !

اسی بنا پر یہ حقیقت بالکل مسلم ہے کہ کسی بھی بندے اور بزرگ ہستی کو ایک ذرہ کا بھی "ذاتی" علم، حاصل نہیں ہے، لہٰذا جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا کسی نبی یا ولی کو کسی بھی ذرہ کا ذاتی علم تھا یا ہے تو بالاتفاق مشرک ہے، مولوی احمد رضا خاں بریلوی لکھتے ہیں کہ ——— "علم ذاتی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، اور اس کے غیر کے لیے محال ہے، جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر غیر خدا کے لیے مانے وہ یقیناً کافر و مشرک ہے (خالص الاعتقاد ص۲۲ بحوالہ بریلوی فتنہ کا نیا روپ)

علم عطائی محیطِ عام (۲) اسی طرح تمام اسلامی فرقے اسکو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ تمام غیوب کا علم محیط اللہ جل شانہٗ کے ساتھ خاص ہے، لہٰذا جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مغیبات کا علم محیط حاصل تھا، اور عالم غیب کی کوئی چیز جس طرح اللہ سے مخفی نہیں ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مخفی نہیں تھی اور اللہ تعالیٰ کے علم غیب اور رسول اللہ کے علم غیب میں بس "ذاتی"، اور "عطائی" کا فرق تھا، تو ایسا عقیدہ رکھنے والا بھی بلاشبہ مشرک اور کافر ہے، ملا علی قاری رح "موضوعات کبیر" میں ارقام فرماتے ہیں کہ:

مَنِ اعْتَقَدَ تَسْوِيَةَ عِلْمِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ يَكْفُرُ اِجْمَاعًا كَمَا لَا يَخْفٰى (ص۱۱۹)

جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے علم میں برابری کا عقیدہ رکھے اس کو بالاتفاق کافر قرار دیا جائے گا جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

اور خاں صاحب بریلوی "خالص الاعتقاد" میں لکھتے ہیں کہ :

"علم ذاتی اور علم بالاستیعاب محیط تفصیلی یہ اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہیں (ص۲۳)

پھر آگے اسی صفحہ پر لکھتے ہیں :

"ہم نہ علم الٰہی سے مساوات مانیں، نہ غیر کے لیے علم بالذات جانیں، اور عطائے الٰہی سے بھی بعض علم ہی ملنا مانتے ہیں، نہ کہ جمیع (خالص الاعتقاد ص۲۳ بحوالہ بوارق الغیب اور بریلوی فتنہ کا نیا روپ)

(۳) علم عطائی محیط خاص اہل سنت والجماعت کے نزدیک اس قسم کا علم بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، کسی بھی نبی یا ولی کو اس قسم کا علم نہیں دیا گیا ہے، مگر رضاخانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس قسم کا علم ثابت کرتے ہیں، خاں صاحب بریلوی کہتے ہیں :-

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام ما کان وما یکون الی یوم القیامۃ کا علم تھا اور ابتدائے آفرینش عالم سے لے کر جنت و نار کے داخلہ تک کا کوئی ذرہ حضور علیہ السلام کے علم سے باہر نہیں،، (ابناء المصطفیٰ ص۴ ملخصًا) یہی قسم اختلافی اور نزاعی ہے

(۴) علم عطائی غیر محیط اس قسم کا علم غیر خدا کے لیے ثابت ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام اور پیغمبران عظام کو وحی کے ذریعہ غیب کی کچھ باتوں سے آگاہ فرمایا ہے، مگر کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم کسی کو عطا نہیں فرمایا، اس لیے یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ انبیاء کرام اور پیغمبران عظام کو اللہ تعالیٰ نے وحی والہام کے ذریعہ غیب کی جن باتوں سے آگاہ فرمایا ہے صرف انہی باتوں کو وہ جانتے ہیں، کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے، یہی قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور یہی تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔

مدعیانِ علمِ غیب کے دلائل

پہلی دلیل مفتی احمد یار خاں "جاء الحق،، میں اپنے عقیدے کو مدلل کرتے ہوئے لکھتے ہیں وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اور اللہ کی شان یہ نہیں ہے کہ اے عام لوگو! تم کو غیب کا علم دے، ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے۔

تفسیر بیضاوی میں اس آیت کے ماتحت ہے : خدا تعالیٰ تم میں سے کسی کو علم غیب نہیں دینے کا کہ مطلع کرے اس کفر وایمان پر جو کہ دلوں میں ہوتا ہے، لیکن اللہ اپنی پیغمبری کیلیے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے، پس اس کی طرف وحی فرماتا ہے، اور بعض غیوب کی ان کو

خبر دیتا ہے، یا ان کے لیے ایسے دلائل قائم فرماتا ہے جو غیب پر راہبری کریں۔
تفسیر خازن میں ہے، لیکن اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے، ان کو خبردار کرتا ہے بعض علم غیب پر۔

اس آیت کریمہ اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ خدا کا خاص علم غیب پیغمبر پر ظاہر ہوتا ہے، بعض مفسرین نے فرمایا کہ "بعض غیب" اس سے مراد علمِ الٰہی کے مقابلے میں بعض اور کل ماکان و مایکون بھی خدا کے علم کا بعض ہے (جاء الحق ص۴۸ و ص۴۹)

جواب اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کو وحی و الہام کے ذریعہ غیب کی باتوں پر مطلع فرماتے ہیں، لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قیامت تک کے ذرّہ ذرّہ کا کسی نبی کو تفصیلی علم دے دیا گیا ہو ——— نیز مفسرین کرام کی جو عبارتیں خان صاحب نے اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کی ہیں ان میں سے ایک سے بھی ان کا مدعا ثابت نہیں ہوتا اور "بعض غیب" کا صاف اور واضح مفہوم بعض جزئیات کا علم ہے نہ کہ اللہ کے علم کا بعض

احمد یار خاں "جاء الحق" میں لکھتے ہیں:-

دوسری دلیل فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (سورہ جن آیت ۲۷) تو اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے (ص۵۵)

اس کے بعد تفسیر کبیر، تفسیر عزیزی، خازن اور روح البیان کی عبارتیں جو ان کے دعا کے سراسر خلاف ہیں نقل کر کے لکھتے ہیں کہ

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ خدائے قدوس کا خاص علم غیب حتیٰ کہ قیامت کا علم بھی حضور علیہ السلام کو عطا فرمایا گیا، اب کیا شی ہے جو علمِ مصطفیٰ علیہ السلام سے باقی رہ گئی (جاء الحق ص۵۶)

جواب اس کا جواب یہ ہے کہ اسی آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ

قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا۔

آپ فرما دیجیے کہ میں نہیں جانتا کہ آیا نزدیک ہے وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، یا میرے رب اس کے لیے کوئی مدت دراز مقرر کر رکھی ہے۔

مَاتُوعَدُوْنَ سے بعض مفسرین کے نزدیک ،، عذاب ،، اور بعض کے نزدیک قیامت مراد ہے، کچھ بھی ہو، کوئی چیز ماکان و مایکون میں سے ضرور ایسی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ اس حقیقت کو ظاہر فرمادیں کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے، پھر یہ کیسے تسلیم کرلیا جائے کہ بالکل متصل اور پیوستہ یہ واضح کیا جارہا ہے کہ اللہ نے حضور اکرم ﷺ کو سب غیب کی باتیں بتادی ہیں جن میں عذاب یا قیامت کا علم بھی داخل ہے، پس غیب سے کل غیب مراد لینا نصوص قطعیہ کے خلاف ہے۔

تیسری دلیل احمد یار خاں لکھتے ہیں :۔

وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ، وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (سورہ نساء آیت ۱۱۳) اور تم کو سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے، اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے ——— (جلالین) اَیْ مِنَ الْاَحْكَامِ وَالْغَيْبِ یعنی احکام اور علم غیب (تفسیر کبیر) اللہ نے آپ پر قرآن اُتارا، اور حکمت اتاری، اور آپ کو ان کے بھیدوں پر مطلع فرمایا، اور ان کی حقیقتوں پر واقف کیا، (خازن) یعنی شریعت کے احکام اور دین کی باتیں سکھائیں اور کہا گیا ہے کہ آپ کو علم غیب میں سے وہ باتیں سکھائیں جو آپ نہ جانتے تھے اور کہا گیا ہے کہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ آپ کو چھپی چیزیں سکھائیں، اور دلوں کے راز پر مطلع فرمایا، اور منافقین کے مکر و فریب آپ کو بتادیئے، (مدارک) دین اور شریعت کے امور سکھائے، اور چھپی ہوئی باتیں، دلوں کے راز بتائے

تفسیر حسینی ،، بحر الرائق ،، سے اسی آیت کے ماتحت نقل فرماتے ہیں: یہ ماکان و ما یکون کا علم ہے، کہ حق تعالیٰ نے شب معراج میں حضور علیہ السلام کو عطا فرمایا، چنانچہ معراج کی حدیث میں ہے کہ ہم عرش کے نیچے تھے کہ ایک قطرہ ہمارے حلق میں ڈالا، پس ہم نے سارے گذشتہ اور آئندہ کے واقعات معلوم کرلیے (جامع البیان) یعنی آپ کو وہ سب باتیں بتادیں جو قرآن کے نزول سے پہلے آپ نہ جانتے تھے۔

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو تمام آئندہ اور گذشتہ واقعات کی خبر دے دی گئی، کلمہ ،، ما ،، عربی زبان میں عموم کے لیے ہوتا ہے، تو آیت

سے معلوم ہوا کہ شریعت کے احکام، دنیا کے سارے واقعات، لوگوں کے ایمانی حالات وغیرہ جو کچھ بھی آپ کے علم میں نہ تھا سب ہی بتا دیا، اس میں یہ قید لگانا کہ اس سے مراد صرف احکام ہیں، اپنی طرف سے قید ہے، جو قرآن وحدیث اور امت کے عقیدے کے خلاف ہے (جاء الحق ص۴۹ و ص۵۰)

جواب اس استدلال کا سارا مدار اس بات پر ہے کہ کلمہ ''ما'' عربی زبان میں عموم کیلیے ہوتا ہے، حالانکہ یہ صحیح نہیں، سید شریف جرجانی حنفی مَنْ اور مَا وغیرہ اسماء موصولہ کے بارے میں صراحت کے ساتھ لکھتے ہیں کہ:

قُلْنَا الموصولات لَمْ تُوْضَعْ	ہم کہتے ہیں کہ اسماءِ موصولہ عموم کے لیے وضع نہیں
للعموم بَلْ هِيَ للجنس تَحْتَمِلُ العمومَ	کئے گئے، بلکہ یہ جنس کے لیے وضع کیے گئے ہیں
والخصوصَ (شرح مواقف ص۲۳ مطبوعہ نول کشور)	جو عموم اور خصوص دونوں کا احتمال رکھتے ہیں۔

علاوہ ازیں اس استدلال پر درج ذیل خامیاں ہیں:

(۱) جلالین شریف میں ای من الاحکام والغیب ہے خاں صاحب نے لفظ ''من'' کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے، الغَیْب کا ترجمہ علم غیب کر دیا ہے حالانکہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کو بعض احکام اور غیب کی کچھ باتیں سکھائیں جو اب نہیں جانتے تھے، کیوں کہ تمام احکام شرعیہ اس آیت کے نزول کے وقت آپؐ کو نہیں سکھائے گئے تھے، بہت احکام اس کے بعد نازل ہوئے ہیں۔

(۲) تفسیر حسینی، کمال الدین حسین واعظ کاشفی کی تفسیر ہے، جو ''انوار سہیلی'' اور ''اخلاق محسنی'' کے مصنف ہیں، ان کی یہ تفسیر بالکل غیر معتبر ہے، اس لیے اس کی بات کسی کے لیے حجت نہیں ہو سکتی، عقیدہ کے اثبات کے لیے دلیل قطعی چاہئے خود خاں صاحب لکھتے ہیں کہ

''جب علم غیب کا منکر اپنے دعوے پر دلیل قائم کرے تو چار باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے (۱) وہ آیت قطعی الدلالۃ ہو جس کے معنیٰ میں چند احتمال نہ نکل سکتے ہوں، اور حدیث ہو تو متواتر ہو (جاء الحق ص۴۰)

مدعیان علم غیب کا احادیث سے استدلال

پہلی حدیث حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَقَامًا مَا تَرَكَ شَيْئًا يَكُوْنُ فِيْ مَقَامِهٖ ذٰلِكَ اِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ اِلَّا حَدَّثَ بِهٖ، حَفِظَهٗ مَنْ حَفِظَهٗ وَنَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ (مشکوٰۃ شریف کتاب الفتن ص ۴۶۱)

ایک بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں (خطبہ دینے کے لیے) کھڑے ہوئے، آپؐ نے اپنے اس قیام میں قیامت تک ہونے والی کوئی چیز نہیں چھوڑی جس کو آپؐ نے بیان نہ کیا ہو یاد رکھا اس کو جس نے یاد رکھا، اور بھول گیا وہ جو بھول گیا

دوسری حدیث حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

قَامَ فِيْنَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَقَامًا فَاَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰى دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَاَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ حَفِظَ ذٰلِكَ مَنْ حَفِظَهٗ وَنَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ (مشکوٰۃ شریف باب بدء الخلق ص ۵۱۰)

ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں کھڑے ہو کر ہم کو خبر دی ابتدائے آفرینش سے جنتیوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہونے تک کے احوال کی، یاد رکھا اس کو جس نے اس کو یاد رکھا، اور بھول گیا وہ جو بھول گیا۔

تیسری حدیث حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم خَطِيْبًا بَعْدَ الْعَصْرِ فَلَمْ يَدَعْ شَيْئًا يَكُوْنُ اِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ اِلَّا ذَكَرَهٗ حَفِظَهٗ مَنْ حَفِظَهٗ وَنَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ (مشکوٰۃ شریف باب الامر بالمعروف ص ۴۳۷)

ایک دن عصر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر ہمارے سامنے خطبہ دیا، پس قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا اس میں سے کوئی چیز آپؐ نے نہیں چھوڑی جس کو آپؐ نے بیان نہ کیا ہو، یاد رکھا اس کو جس نے یاد رکھا، اور بھول گیا جو بھول گیا۔

چوتھی حدیث حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

فَرَأَيْتُهُ عَزَّوَجَلَّ وَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَ أَنَامِلِهِ بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَتَجَلَّى لِي كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ (مشکوۃ شریف ص۷۲)

پس میں نے اللہ جل شانہٗ کو دیکھا کہ اپنا دست قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا، حتی کہ اس کے آثار کی لذت اور ٹھنڈک میں نے اپنے سینہ میں محسوس کی پس ہر چیز میرے لیے روشن ہوگئی اور میں نے پہچان لیا۔

پانچویں حدیث حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

إِنَّ اللّٰهَ رَفَعَ لِيَ الدُّنْيَا فَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهَا وَإِلَى مَا هُوَ كَائِنٌ فِيهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، كَأَنَّمَا أَنْظُرُ إِلَى كَفِّي هٰذِهِ (حلیۃ الاولیاء ج۱ ص۱۱۱ لابی نعیم)

اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے دنیا کو پیش فرمایا، پس میں دنیا کو اور اس میں قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے میں اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔

ان احادیث کو نقل کر کے احمد یار خاں لکھتے ہیں کہ

"ان احادیث سے اتنا معلوم ہوا کہ تمام عالم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے اس طرح ہے جیسے اپنی کفِ دست ——— خیال رہے کہ عالم کہتے ہیں ماسوی اللہ کو، تو عالم اجسام عالم ارواح، عالم امر، عالم امکان، عالم ملائکہ، عرش و فرش غرض کہ ہر چیز پر حضور علیہ السلام کی نظر ہے، اور عالم میں لوح محفوظ بھی ہے جس میں سارے حالات ہیں، ——— دوسرے یہ معلوم ہوا کہ اگلے پچھلے سارے واقعات پر بھی اطلاع رکھتے ہیں (جاء الحق ص۶۷)

الزامی جواب اس استدلال کا الزامی جواب ان کی بیان کردہ شرطوں کے مطابق تو یہ ہے کہ مذکورہ حدیثوں میں سے کوئی حدیث متواتر نہیں ہے لہٰذا ان احادیث کو دلیل کے طور پر پیش کرنا فریب دہی کے سوا کیا ہے؟ کیوں کہ احمد یار خاں خود لکھتے ہیں کہ

جب علم غیب کا منکر اپنے دعوے پر دلیل قائم کرے تو چار باتوں کا لحاظ کرنا ضروری ہے (۱) وہ آیت قطعی الدلالۃ ہو، جس کے معنی میں چند احتمال نہ نکل سکتے ہوں، اور حدیث ہو تو متواتر ہو (جاء الحق ص۶۷)

تحقیقی جواب اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ مذکورہ حدیثوں میں سے پہلی تینوں حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ نے ایک خطبہ میں قیامت تک ہونے والے بڑے بڑے واقعات اور فتنے اور قیامت کی نشانیاں بیان فرمائیں ان میں سے کچھ باتیں لوگوں کو یاد رہیں اور کچھ بھول گئے، خود حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں

وَاللّٰہِ مَا اَدْرِیْ اَنَسِیَ اَصْحَابِیْ اَمْ تَنَاسَوْا؟ وَاللّٰہِ مَا تَرَکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ قَائِدِ فِتْنَۃٍ اِلٰی اَنْ تَنْقَضِیَ الدُّنْیَا یَبْلُغُ مَنْ مَعَہٗ ثَلٰثَ مِائَۃٍ فَصَاعِدًا اِلَّا قَدْ سَمَّاہُ لَنَا بِاسْمِہٖ وَاسْمِ اَبِیْہِ وَاسْمِ قَبِیْلَتِہٖ (رواہ ابوداؤد) (مشکوٰۃ شریف کتاب الفتن ص۴۶۳)

اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ آیا میرے ساتھی بھول گئے یا اپنے آپ کو بھولا ہوا ظاہر کرتے ہیں؟ قسم بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختتام دنیا تک کسی ایسے فتنہ انگیز کو نہیں چھوڑا جس کے چیلوں کی تعداد تین سو یا تین سو سے زائد ہوگی کہ آپؐ نے ہمارے سامنے اس کا نام اس کے باپ کا نام اور اس کے قبیلے کا نام نہ ذکر کیا ہو۔

ابوداؤد کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں جو باتیں بیان فرمائی تھیں وہ فتن اور علامات قیامت کے قبیل سے تھیں دنیا بھر کی چیزوں کا ذکر نہیں کیا تھا، کیوں کہ یہ عقلاً ممکن نہیں ہے

اور چوتھی حدیث میں کل شیئٍ سے تمام چیزیں مراد نہیں ہیں بلکہ صرف احکام شرعیہ اور امور دینیہ مراد ہیں، جیسا کہ اسی حدیث کے سیاق و سباق سے واضح ہوتا ہے، پوری حدیث تو بہت طویل ہے اس کا نقل کرنا تو طوالت سے خالی نہیں ہے اس لیے صرف مفید مطلب حصہ کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خواب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کو بہترین صورت میں دیکھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: محمد! میں نے عرض کیا: حاضر ہوں میرے رب! اللہ نے دریافت فرمایا: مقربین بارگاہِ عالی کن امور میں بحث و مباحثہ کر رہے ہیں، میں نے کہا مجھے علم نہیں

——— تین مرتبہ یہ سوال وجواب دہرائے گئے ——— پھر میں نے اللہ جلّ شانہٗ کو دیکھا کہ اپنا دست (قدرت) میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا حتیٰ کہ اس کے آثار کی لذت اور ٹھنڈک میں نے اپنے سینہ میں محسوس کی، پس ہر چیز میرے لیے روشن ہوگئی، اور میں نے پہچان لیا، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: محمد! میں نے عرض کیا: حاضر ہوں میرے رب! اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا: مقربین بارگاہِ عالی کن امور پر بحث کر رہے ہیں؟ میں نے جواب دیا گناہوں کو مٹانے والی چیزوں کے بارے میں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ کیا ہے؟ میں نے جواب دیا: (نماز کے لیے) جماعتوں کی طرف قدم بڑھانا، نماز کے بعد مسجدوں میں بیٹھنا، اور ناگواریوں کے وقت اچھی طرح وضو کرنا، اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا: پھر کن امور میں (بحث کر رہے ہیں)، میں نے جواب دیا: جنت کے بلند درجات (تک پہنچانے والی چیزوں) کے بارے میں، اللہ تعالیٰ نے پوچھا وہ کیا ہیں؟ میں نے جواب دیا: (بھوکوں کو) کھانا کھلانا، نرم گفتگو کرنا، اور لوگ جب سوئے ہوئے ہوں نماز پڑھنا (مشکوٰۃ شریف ص۱۰۷)

اللہ جل شانہٗ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مکالمہ سے معلوم ہوا کہ "کُلُّ شَیْءٍ" سے مراد وہ امور دینیہ ہیں جن کے بارے میں مقربین بارگاہِ عالی بحث کر رہے تھے نہ کہ دنیا بھر کی تمام چیزیں ——— اور صرف امور دینیہ مراد لینے اور علم کلّی کی نفی کرنے میں کوئی تنقیص نہیں، جیسا کہ رضاخانیوں کا خیال ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب (جن کی علمی سیادت وقیادت فریقین کے نزدیک مسلم ہے) تفہیمات الٰہیہ میں لکھتے ہیں:

ثم لیعلموا انہ یجب ان ینفی عنہم صفات الواجب جل مجدہٗ من العلم بالغیب والقدرۃ علی خلق العالم الی غیر ذالک ولیس ذالک بنقص (تفہیمات الٰہیہ ص۳۲)

پھر جاننا چاہیے کہ واجب اور ضروری ہے کہ حضرات انبیاء کرام سے واجب جلّ مجدہٗ کی صفات کی نفی کی جائے، یعنی علم غیب اور جہان کے پیدا کرنے پر قدرت وغیرہ کی نفی اور اس میں کوئی تنقیص نہیں ہے۔

پھر چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں کہ:

واذا استدل بقولہ علیہ الصلوٰۃ

اور اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد

والسلام فتجلّیٰ لِی کُلُّ شَیْءٍ، قلنا ھو بمنزلۃ قولہ تعالیٰ فی التوراۃ تفصیلاً لکل شیءٍ، والاصل فی العمومات التخصیص بما یُناسِبُ المقامَ (حوالہ سابق ص۲۵)

فتجلّیٰ لِی کُلُّ شَیْءٍ سے استدلال کیا جائے تو ہم جواب دیں گے کہ حضورؐ کا یہ ارشاد ایسا ہی ہے جیسا کہ تورات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے تفصیلاً لِکُلِّ شَیْءٍ اور اصل عمومات میں مقام کے مناسب تخصیص کرنا ہے۔

اور پانچویں روایت کا جواب یہ ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی سعید بن سنان رہاوی ہے، جو نہایت ضعیف اور کمزور ہے، علامہ نورالدین علی بن ابی بکر ہیثمی نے "مجمع الزوائد" میں حضرت عمرؓ سے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ

رواہ الطبرانی ورجالہ وُثِّقُوا علیٰ ضُعْفٍ کثیرٍ فی سعید بن سنان الرہاوی (مجمع الزوائد ۲۸۷/۸)

اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اور اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے سعید بن سنان رہاوی کے بہت زیادہ ضعیف ہونے پر اتفاق کرتے ہوئے

اور حافظ علی متقی حنفی نے "کنز العمال" میں حضرت ابن عمرؓ سے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے "وسندہ ضعیفٌ" اس کی سند ضعیف ہے،

(کنز العمال ص۹۵ جلد ششم)

الحاصل یہ روایت نہایت ضعیف ہے، اور ضعیف روایت کی حضورؐ کی طرف نسبت کرنا، پھر اس سے نصوص قطعیہ کے خلاف عقیدہ ثابت کرنا ہرگز جائز نہیں، خود خاں صاحب بریلوی لکھتے ہیں کہ

حدیث ماننے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنے کے لیے ثبوت چاہیے، بے ثبوت نسبت جائز نہیں۔ (عرفان شریعت ص۲۷ ج ۳)

اہل سنّت کا عقیدہ اور دلائل

تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام اور پیغمبران عظام کو وحی والہام کے ذریعہ غیب کی بہت سی باتوں سے آگاہ فرمایا ہے، مگر کائنات کے

ذرہ ذرہ کا علم کسی کو عطا نہیں فرمایا، اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں کہ آپ کو تمام ممکناتِ حاضرہ اور غائبہ کا علم عطا کیا گیا ہے، اور نہ یہ کہنا صحیح ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام ماکان وما یکون الی یوم القیامۃ کا علم حاصل تھا، اور ابتدائے آفرینش سے لے کر جنت و نار کے داخلہ تک کا کوئی ذرہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے باہر نہیں، نیز قرآن پاک میں تمام مخلوقات سے عموماً اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصاً علم غیب کی نفی کی گئی ہے اس لیے کسی نبی یا ولی کے لیے علم غیب ثابت کرنا نصوص قطعیہ کے خلاف ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ، وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ۔

(سورہ نمل آیت ۶۵)

آپ فرما دیجیے کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں ہے ان میں سے کوئی بھی غیب نہیں جانتا، سوائے اللہ تعالیٰ کے، اور (اسی وجہ سے) ان مخلوقات کو یہ خبر نہیں کہ وہ کب دوبارہ زندہ کیے جائیں گے

نیز ارشاد خداوندی ہے:۔

قُلْ لَّا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ، وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ۔

(سورہ انعام آیت ۵۰)

آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے نہیں کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں، اور نہ میں غیب جانتا ہوں، اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ، وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ۔

(سورہ اعراف آیت ۱۸۸)

آپ فرما دیجیے کہ میں نہ اپنی جان کے بھلے کا مالک ہوں نہ برے کا مگر جو اللہ تعالیٰ چاہیں، اور اگر میں جان لیا کرتا غیب کی بات تو بہت کچھ بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھ کو برائی کبھی نہ پہنچتی

اور سورہ لقمان میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا، وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ، إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (پ۲۱ ع۳)

بے شک اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے، اور وہ بارش برساتا ہے، اور وہ جانتا ہے جو کچھ رحم میں ہے، اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والے باخبر ہیں

نیز ارشاد خداوندی ہے:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ (سورہ انعام آیت ۵۹)

اللہ ہی کے پاس ہیں مخفی چیزوں کے خزانے ان کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے غیب کا کلی علم مخلوقات میں سے کسی کو حتیٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عطا نہیں فرمایا، لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قیامت تک کا علم محیط ثابت ماننا اور آپؐ کو عالم الغیب جاننا ان آیتوں کے سراسر خلاف ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

بعض جاہل اور ناواقف لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو "عالم الغیب" نہیں کہنا چاہیے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ سے جب کوئی چیز مخفی نہیں تو وہ "عالم الغیب" کیسے ہو سکتے ہیں؟ لہٰذا معلوم ہوا کہ "عالم الغیب" مخلوق ہی کی صفت ہو سکتی ہے، نہ کہ خالق کائنات کی،

اس کا جواب یہ ہے کہ "غیب" اس چیز کو نہیں کہا جاتا جو خدا تعالیٰ سے مخفی ہو، بلکہ غیب اس کو کہتے ہیں جو مخلوقات سے پوشیدہ ہو، علامہ سید محمود آلوسی حنفی اپنی بے نظیر تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں کہ:

وكونه كذلك غيبًا باعتبار عن الناس ونحوهم لا بالله عز وجل فانه لا يغيب عنه شئ، ولكن لا يجوز ان يقال انه لا يعلم الغيب قصدًا الى انه لا غيب بالنسبة اليه (روح المعانی ص ۲۰۷)

اور اس کا غیب ہونا انسانوں اور ایسی ہی دوسری مخلوقات کے اعتبار سے ہے، نہ کہ اللہ جل شانہٗ کے اعتبار سے، اس لیے کہ اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے، لیکن اس وجہ سے کہ اللہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے یہ کہنا جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ غیب نہیں جانتے۔

اور تفسیر مدارک میں ہے :

(عالم الغیب) مایغیب عن الناس (والشھادۃ) مایشاھدونہ ، (ص ۱۹۴ ج ۲)

عَالِمُ الغَیبِ وَالشَّھَادَۃِ کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں سے جو چیزیں پوشیدہ ہیں ، اور لوگ جن چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہیں ان سب کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں ۔

رضاخانی تاویلات

اہلِ حق علمِ غیب کلی کی نفی پر جن آیتوں سے استدلال کرتے ہیں مدعیانِ علمِ غیب ان میں چار تاویلیں کرتے ہیں ۔

(۱) ان آیتوں میں غیر اللہ سے عموماً اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصاً صرف علم ذاتی کی نفی کی گئی ہے ، نہ کہ علم عطائی کی

(۲) ان آیتوں میں غیر اللہ سے صرف "علم محیط عام" کی نفی کی گئی ہے نہ کہ "علم محیط خاص" کی یعنی ماکان ومایکون الیٰ یوم القیامۃ کی نفی نہیں کی گئی ہے ،

(۳) ان آیتوں کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علوم دیدئے گئے تھے ، گویا یہ آیات منسوخ ہیں ۔

(۴) جن آیات میں قیامت وغیرہ کے علم کو اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر اگیا ہے ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کسی دوسرے کو ان کا علم نہیں ، بلکہ ان کا مفاد صرف یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو ان کا علم ہے ، دوسروں کو اس کا علم ہے یا نہیں اس سے یہ آیات ساکت ہیں ۔

مدعیان علم غیب ان آیتوں کی یہ تاویلات اس لیے کرتے ہیں کہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ لقمان کی آیت میں مذکورہ پانچ چیزوں میں سے بعض جزئیات کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا ، اور آپؐ نے دوسروں کو بھی اس کی اطلاع دی تھی چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرب قیامت کے واقعات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ :

ثم یرسل اللہ مطرا لا یکن منہ بیت مدر ولا وبر ۔ (رواہ مسلم ومشکوٰۃ ص ۴۷۴)

پھر (یعنی یاجوج ، ماجوج کے فتنے کے بعد) اللہ تعالیٰ ایک عالم گیر بارش برسائیں گے جس سے شہر یا گاؤں کا کوئی گھر بچ نہ سکے گا ۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے قریب ہونے والی بارش کی اطلاع سیکڑوں برس پہلے ہو گئی تھی

اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب حالتِ حمل میں تھے تو حضرت ام فضل بنت حارث رضی اللہ عنہا نے خواب دیکھا کہ حضور اقدس کے جسدِ اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر ان کی گود میں رکھدیا گیا ہے اس خواب سے ان کو بہت زیادہ تشویش ہوئی اور خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اپنا خواب بیان کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعبیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ

رایتِ خیرًا، تَلِدُ فَاطِمَةُ اِن شَاءَ اللّٰہ غلامًا یکون فی حجرکِ (مشکوۃ شریف ص۵۷۲) — تو نے اچھا خواب دیکھا، ان شاء اللہ میری لختِ جگر فاطمہؓ ایک لڑکا جنے گی جو تیری گود میں ہوگا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت حسینؓ کی ولادت سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے لڑکا پیدا ہونے والا ہے اور غزوہ خیبر کے موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ

لَاُعْطِیَنَّ ھٰذہ الرایۃ غدًا رجلًا یفتح اللّٰہُ علٰی یدیہ (مشکوۃ ص۵۶۳) — میں کل یہ جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دیں گے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آئندہ ہونے والی چیزوں کا بھی علم تھا اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانۂ آئندہ میں ہونے والی بہت سی چیزوں کی خبر دی ہے، جو کتبِ حدیث میں مذکور ہیں، ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہونے والے واقعات کا علم تھا۔

اور غزوہ بدر کے موقع پر جنگ سے ایک روز پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صنادید کفار کی قتل گاہیں بتلادی تھیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کو بعض لوگوں کے مقامِ موت کا بھی علم تھا، اور بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مقامِ وفات اور جائے دفن کا بھی پہلے سے علم تھا۔

الغرض ان روایات سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آئندہ پیش آنے والے واقعات، نزول باراں، مافی الارحام، اور مقامِ موت کا علم تھا، چنانچہ مولوی احمد رضا خاں

بریلوی اور مولوی نعیم الدین مراد آبادی اور ان کے متبعین کا یہ دعویٰ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم شریف مذکورہ چاروں باتوں اور قیامت کو بھی محیط ہے، اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ تاویلات نہ کی جائیں تو آیات اور روایات میں ایسا تعارض ہوگا جو کسی طرح اٹھ نہ سکے گا۔

جواب اس کا جواب مولوی احمد رضا خاں کے طرز پر تو یہ ہے کہ آیات قرآنیہ کا تعارض اخبار آحاد سے نہیں ہو سکتا، خود خاں صاحب بریلوی اپنے رسالہ "انباء المصطفیٰ" کے صفحہ چار پر علم غیب ہی کی بحث میں لکھتے ہیں کہ

"عموم آیاتِ قرآنیہ کی مخالفت میں اخبار آحاد سے استناد محض ہرزہ بافی (ہے) اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ مذکورہ آیات اور احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے، اس لیے کہ سورۂ لقمان کی آیت میں امور خمسہ کے علم کلّی کی نفی کی گئی ہے کہ قیامت، نزول باراں، اور ما فی الارحام وغیرہ کا کلّی علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں، اور احادیث و روایات سے امور خمسہ کی صرف بعض جزئیات کا علم ثابت ہوتا ہے، علم کلی کا ثبوت ہرگز نہیں ہوتا، حضرت ملّا علی قاری حدیث جبرئیل کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

فَاِنْ قُلْتَ: قد اخبر الانبیاءُ والاولیاءُ بِشَیْءٍ کثیرٍ من ذٰلک فکیف الحصر؟ قلت الحصر باعتبار کلیاتھا، دونَ جزئیاتھا۔ (مرقات ص۶۵ ج ۱)	اگر آپ کہیں کہ حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام نے امور خمسہ میں سے بہت سی چیزوں کی خبر دی ہے، پس حصر کیوں کر درست ہو سکتا ہے؟ تو میں جواب دوں گا کہ حصر کلیات کے اعتبار سے ہے نہ کہ جزئیات کے اعتبار سے۔

اور ان تاویلات کا جواب یہ ہے کہ سورۂ یٰسین میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ (ہم نے آپؐ کو شعر کا علم نہیں عطا کیا) اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ کو شعر کا علم نہ ذاتی طور پر حاصل تھا، نہ عطائی طریقہ پر، پس پہلی تاویل لغو ہو گئی ——— اور دوسری تاویل کی تردید بھی اسی آیت سے ہوتی ہے، کیوں کہ "شعر" بھی ماکان و مایکون میں سے ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ ماکان و مایکون میں سے کوئی چیز ضرور ایسی ہے جس کا علم آپؐ کو نہیں عطا کیا گیا تھا، پس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قیامت تک کا علم محیط ثابت کرنا

نصوص قطعیہ کے خلاف ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ وَمَا یَنْبَغِیْ لَہٗ (اور شعر کا علم آپؐ کی شان کے مناسب نہیں) اس سے تیسری تاویل کی تردید ہوتی ہے، کیوں کہ جو چیز حضور اکرمؐ کی شان کے مناسب نہیں اسکو بعد میں عطا فرمانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اور سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وعندہ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُھَا اِلَّا ھُوَ (اللہ ہی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں یا خزانے، ان کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا) اس آیت سے چوتھی تاویل کی تردید ہوتی ہے کیوں کہ اس آیت میں غیر اللہ سے علم غیب کی صراحۃً نفی کی گئی ہے، اسی طرح قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ سے بھی غیر اللہ سے علم غیب کی نفی ہوتی ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ دوسروں کو اس کا علم ہے یا نہیں اس سے آیات ساکت ہیں بالکل لغو تاویل ہے

ملا علی قاری کا مسلک

مدعیانِ علم غیب حضرت ملا علی قاری حنفی کی مجمل و مبہم اور ادھوری عبارتوں کو پیش کر کے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں، اس لیے ذیل میں ملا علی قاری رحمہ اللہ کی چند واضح اور صریح عبارتیں پیش کیجاتی ہیں، تاکہ آپ جان لیں کہ مسئلہ علم غیب میں ملا علی قاری کا مسلک وہی ہے جو تمام اہل سنت والجماعت کا ہے۔

(۱) ملا علی قاری حضرت عبدالرحمٰن بن عائش رضی اللہ عنہ کی روایت جو مشکوٰۃ باب المساجد پر ہے اس کی شرح کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:۔

(فعلمت) ای بسبب وصولِ ذالک	(پس جان لی میں نے) یعنی اس فیض کے پہنچنے کی
الفیضِ (مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ)	وجہ سے (وہ چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں
یعنی مَا اَعْلَمَہُ اللّٰہُ تعالیٰ مِمَّا[1]	یعنی وہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بتائیں،
فِیْھِمَا من الملائکۃِ والاشجار	آسمانوں اور زمین میں جو چیزیں ہیں ان میں سے کچھ
وغیرھما، وھو عبارۃ عن سعۃ	فرشتوں اور درختوں وغیرہ میں سے، اور آپؐ نے
علمہ الذی فتح اللّٰہ بہ	اس ارشاد میں اپنے اس علم کی وسعت کو واضح فرمایا
علیہ۔	ہے جو اللہ نے آپؐ پر کھولا ہے۔

[1] مما میں من تبعیضیہ، اور ما موصولہ ہے

وقال ابن حجر: ای جمیع الکائنات التی فی السّموات بل وما فوقہا کما یستفاد من قصۃ المعراج والارض ھی بمعنی الجنس ای وجمیع ما فی الارضین السبع بل وما تحتہا۔ کما افادہ اخبارہ علیہ السلام عن الثور والحوت اللذین علیہما الارضون کلہا، ویمکن ان یراد بالسّموات الجہۃ العلیا، وبالارض الجہۃ السّفلیٰ فیشمل الجمیع، لکن لا بد من التقیید الذی ذکرناہ، اذ لا یصح اطلاق الجمیع، کما ھو الظاھر

(مرقات ص۲۱۰ ج ۲)

اور ابن حجر نے کہا کہ وہ ساری کائنات جو آسمانوں میں ہے، بلکہ آسمانوں سے بھی اوپر ہے جیسا کہ معراج کے واقعہ سے سمجھ میں آتا ہے، اور والارض سے جنس ارض مراد ہے، اور مطلب یہ ہے کہ تمام وہ چیزیں جو ساتوں زمینوں میں ہے، بلکہ ان سے بھی نیچے ہیں جیسا کہ، آپؐ کے اس بیل اور مچھلی کے بارے میں خبر دینے سے معلوم ہوتا ہے جن پر سب زمینیں قائم ہیں۔

اور ممکن ہے سماوات سے مراد اوپر کی جہت ہو، اور ارض سے مراد نیچے کی جہت ہو، پس ارشاد نبوی ما فی السموات والارض تمام چیزوں کو شامل ہوگا۔ لیکن وہ قید لگانی ضروری ہے جو ہم نے ذکر کی ہے، (یعنی آسمانوں اور زمین میں جو چیزیں ہیں ان میں سے کچھ جو اللہ نے آپ کو بتائیں) کیوں کہ جمیع کو مطلق رکھنا صحیح نہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔

حضرت ملا علی قاری کے اس استدراک سے معلوم ہوا کہ ابن حجر مکیؒ کے کلام میں اور خود ملا علی قاری کے کلام میں جو لفظ "جمیع" آیا ہے، اس سے علی الاطلاق کائنات کی تمام چیزیں مراد نہیں، بلکہ وہی چیزیں مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو وحی و الہام کے ذریعہ بتائیں، کیوں کہ من تبعیضیہ کا مفاد یہی ہے ——— اور یہی مطلب ہے دیگر اکابر کی ان عبارتوں کا جن میں لفظ جمیع یا "ما کان و ما یکون" کے الفاظ مذکور ہیں، رضاخانی ما کان و ما یکون کے جو معنی بیان کرتے ہیں وہ ہرگز مراد نہیں۔

(۲) ملا علی قاری شرح شفا اور شرح فقہ اکبر میں ارقام فرماتے ہیں:

والحاصل انّ الانبیاء لم یعلموا — خلاصۂ بحث یہ ہے کہ انبیاء کرام غیب کی صرف

المغیبات من الاشیاء الا ما اعلمھم اللہ تعالیٰ احیانًا۔

انہی باتوں کو جانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو گاہے ماہے بتائی ہیں۔

وقد صرّح علماؤنا الحنفیۃ بتکفیر من اعتقد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب لمعارضۃ قولہ تعالیٰ: قل لا یعلم من فی السموٰت والارض الغیب الا اللہ، کذا فی المسامرۃ للامام ابن ھمام (شرح شفاء ۴۳۵، شرح فقہ اکبر ۱۸۵)

اور ہمارے علماء احناف نے صراحۃً ذکر کیا ہے کہ یہ عقیدہ رکھنے والا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں کافر ہے، اس لیے کہ یہ عقیدہ اللہ کے ارشاد قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ ــــــ کے معارض اور مخالف ہے، امام ابن ہمام کی کتاب مسامرہ میں ایسا ہی ہے۔

(۳) حضرت ملا علی قاری الموضوعات الکبریٰ میں رضاخانیوں کے عقیدے جیسے عقیدہ کی تردید کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:۔

ولما جری لام المومنین عائشۃ رضی اللہ عنہا ما جری ورماھا اھل الافک ولم یکن یعلم حقیقۃ الامر حتی جاءہ الوحی من اللہ تعالیٰ ببرائتھا ومن ھؤلاء الغلاۃ انہ علیہ السلام کان یعلم الحال وانہ غیرھا بلا ریب، واستشار الناس فی فراقھا ودعا ریحانۃ فسألھا وھو یعلم الحال، وقال لھا: ان کنتِ المتِ بذنب فاستغفری اللہ وھو یعلم علمًا یقینًا انھا لم تلمّ بذنب ولا ریب ان الحال لھؤلاء علی ھذا الغلو اعتقادھم انہ یکفّر عنھم سیئاتھم ویدخلھم الجنۃ، وکلما غلوا کانوا اقرب الیہ واحق بہ، فھم اعصی الناس لامرہ واشدھم مخالفۃ لسنتہ، وھؤلاء فیھم شبہ ظاھر من النصاریٰ غلوا علی المسیح اعظم الغلو، وخالفوا شرعہ ودینہ اعظم المخالفۃ

والمقصود ان هؤلاء يُمَدِّدُون بالاحاديث المكذوبة الصريحة ويُحَرِّفُون الاحاديث الصحيحة، والله وليُّ دينه، فيقيض من يقوم له بحق النصيحة (الموضوعات الكبرى ص۱۲۰)

ترجمہ: جب ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹا اور افتراء پردازوں نے حرم نبوی پر بھاری بہتان باندھا، تو آپؓ کو معاملہ کی حقیقت کا علم نہ ہو سکا جب تک حضرت صدیقہ کی برأت کے سلسلہ میں آپؐ کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نہ آئی، مگر ان غلو پسندوں کے نزدیک آپؐ پوری حالت کو جانتے تھے، اور بلاشبہ یہ بھی جانتے تھے کہ معاملہ کی حقیقت برعکس ہے، ——— آپؐ نے لوگوں سے حضرت عائشہ رضؓ کو نکاح سے الگ کرنے کے بارے میں مشورہ کیا، اور ریحانہ کو بلا کر اس سے معاملہ کی حقیقت دریافت فرمائی، حالانکہ آپؐ حقیقت حال کو اچھی طرح جانتے تھے ——— اور آپؐ نے حضرت عائشہ رضؓ سے کہا کہ اگر تم سے گناہ سرزد ہو گیا ہے تو اللہ سے معافی مانگ لو، حالانکہ آپؐ پورے یقین کے ساتھ جانتے تھے کہ صدیقہ سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا ہے۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ اس غلو کے باوجود یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضور اکرمؐ ان کے گناہوں کو مٹا دیں گے، اور ان کو جنت میں داخل فرمائیں گے، اور جتنا غلو کریں گے اتنا ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب نصیب ہوگا، اور آپؐ سے تعلق پیدا ہوگا، پس یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی سب سے زیادہ نافرمانی کرنے والے ہیں، اور آپؐ کی سنت کی سب سے زیادہ مخالفت کرنے والے ہیں، ان میں نصاریٰ کی واضح مشابہت پائی جاتی ہے، جنہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی شان میں انتہائی غلو کیا، اور ان کے دین و شریعت کی سب سے بڑھ کر مخالفت کی اور کہنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ لوگ صریح جھوٹی حدیثوں کی تصدیق کرتے ہیں، اور صحیح حدیثوں میں تحریف کرتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ اپنے دین کے محافظ ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت کے لیے ایسے حضرات کو کھڑے کرتے ہیں گے جو خیر خواہی کا پورا حق ادا کریں گے۔

(۲) حاضر و ناظر کا مسئلہ

حاضر اور ناظر دونوں عربی لفظ ہیں، حاضر کے معنیٰ ہیں "موجود"، اور ناظر کے معنیٰ ہیں "دیکھنے والا"، مگر جب ان دونوں کو ملا کر استعمال کیا جاتا ہے تو اس کا مفہوم اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ:

"ایسی ہستی جس کا وجود کسی خاص جگہ میں نہیں، بلکہ اس کا وجود بیک وقت ساری کائنات کو محیط ہے، اور کائنات کی ایک ایک چیز کے تمام حالات اول سے آخر تک اس کی نظر میں ہیں"۔

اہل سنت کا عقیدہ تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ "حاضر و ناظر" کا مذکورہ بالا مفہوم صرف اللہ جل شانہ کی ذات پاک پر صادق آتا ہے، اور حاضر و ناظر ہونا صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اس کو کسی دوسرے ہستی کے لیے ثابت کرنا غلط ہے حتیٰ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ "آپؐ ہر جگہ موجود ہیں، اور کائنات کی ایک ایک چیز آپؐ کی نظر میں ہے"، نہ شرعاً درست ہے نہ عقل کی رو سے صحیح ہے۔

رضاخانی عقیدہ لیکن رضاخانیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ بزرگانِ دین بھی تمام کائنات کو کف دست کی طرح دیکھتے ہیں، اور دور و نزدیک کی آوازیں سنتے ہیں، اور ایک آن میں تمام عالم کی سیر کرتے ہیں، اور صدہا کوس پر حاجت مندوں کی حاجت روائی کرتے ہیں، احمد یار خاں نعیمی لکھتے ہیں کہ

عالم میں حاضر و ناظر کے شرعی معنیٰ یہ ہیں کہ قوتِ قدسیہ والا ایک ہی جگہ رہ کر تمام عالم کو اپنے کف دست کی طرح دیکھے، اور دور و قریب کی آوازیں سنے یا ایک آن میں تمام عالم کی سیر کرے اور صدہا کوس پر حاجت مندوں کی حاجت روائی کرے، یہ رفتار خواہ صرف روحانی ہو، یا جسمِ مثالی کے ساتھ ہو، یا اسی جسم سے ہو جو قبر میں مدفون یا کسی جگہ موجود ہے، ان سب معنیٰ کا ثبوت بزرگانِ دین کے لیے قرآن و احادیث و اقوال علماء سے ہے (جاء الحق ص ۱۳۱)

رضاخانیوں کے دلائل احمد یار خاں اپنے عقیدہ کو مدلل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا اے غیب کی خبر بتانے والے

بے شک ہم نے تم کو بھیجا حاضر و ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔

شاہد کے معنیٰ گواہ بھی ہو سکتے ہیں اور حاضر و ناظر بھی، گواہ کو شاہد اس لیے کہتے ہیں کہ وہ موقع پر حاضر ہوتا ہے، حضور علیہ السلام کو شاہد یا تو اس لیے فرمایا گیا کہ آپؐ دنیا میں عالم غیب کی دیکھ کر گواہی دے رہے ہیں، ورنہ تو سارے انبیاء گواہ تھے، یا اس لیے کہ قیامت میں تمام انبیاء کی عینی گواہی دیں گے، یہ گواہی بغیر دیکھے ہوئے نہیں ہو سکتی، اسی طرح آپؐ کا مبشر و نذیر اور داعی الی اللہ ہونا ہے، کہ سارے پیغمبروں نے یہ کام کئے مگر سن کر، حضور علیہ السلام نے دیکھ کر، اسی لیے معراج صرف حضور کو ہوئی، سراج منیر آفتاب کو کہتے ہیں، وہ بھی عالم میں ہر جگہ ہوتا ہے، گھر گھر میں موجود، آپؐ بھی ہر جگہ موجود ہیں، اس آیت کے ہر کلمہ سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوتا ہے (جاء الحق ص ۱۳۲)

جواب اس کا جواب یہ ہے کہ خاں صاحب کو اس روشن حقیقت کا بھی علم نہیں کہ آفتاب ہر جگہ نہیں ہوتا، بلکہ جہاں دن ہوتا ہے وہیں آفتاب ہوتا ہے۔ اور جہاں رات ہوتی ہے وہاں آفتاب نہیں ہوتا، لہٰذا اس سے آپؐ کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ حاضر و ناظر ہونے کی نفی ہوتی ہے ——— اسی طرح نبی غیب کی خبر دینے والا ہوتا ہے، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ قیامت تک وجود میں آنے والی تمام چیزوں کو جانتا ہے اور دیکھتا ہے، کیوں کہ نبی کو غیب کی صرف انہی باتوں کا علم ہوتا ہے جو وحی و الہام کے ذریعہ اللہ نے بتا دی ہیں، باقی کو وہ نہ دیکھتا ہے نہ جانتا ہے۔

اور "شاہد" کے معنی حاضر و ناظر نہیں ہیں بلکہ "شاہد" کے معنیٰ ہیں قطعی اور یقینی خبر دینے والا، کیوں کہ "شاہد" شَہِدَ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، اور شَہِدَ کے لغت میں کئی معنی بیان کیے گئے ہیں، مُنجد میں ہے:۔

شَہِدَ یَشْہَدُ شُہُوْدًا المجلس	شَہِدَ المجلس کے معنیٰ ہیں حاضر ہونا،
حَضَرَہٗ ——— الشیئ: عَایَنَہٗ	اور شَہِدَ الشیئ کے معنیٰ ہیں دیکھنا، باخبر ہونا،
اَلْعِلْمِیَّۃ ——— الجمعۃ	اور شَہِدَ الجمعۃ کے معنیٰ ہیں جمع کو پانا،

اَدْرَکَهَا ـــــ عَلٰی کَذَا : اَخْبَرَهٗ بِهٖ خَبَرًا قَاطِعًا ، فَهُوَ شَاهِدٌ

اور شَهِدَ عَلٰی کَذَا کے معنیٰ ہیں : قطعی اور یقینی خبر دینا ، پس صفت شاہد ہو گی۔

ان میں سے صرف آخری معنیٰ ہی حضورؐ کی شان کے مناسب ہیں ، کیوں کہ یہاں نہ کسی مجلس کا ذکر ہے ، نہ جمعہ کا تذکرہ ہے ، نہ کسی دیکھے جانے والی چیز کا بیان ہے بلکہ بشیر و نذیر اور داعی الی اللہ کا وصف خاص بیان کیا جا رہا ہے کہ ہم نے آپؐ کو قطعی اور یقینی خبر دینے والا بنا کر بھیجا ہے ، لہٰذا آپؐ کی بات میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

دوسری دلیل احمد یار خاں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کی دوسری دلیل یہ پیش کی ہے :-

وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا ۔ اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تم کو سب امتوں میں افضل کیا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو ، اور یہ رسول تمہارے نگہبان اور گواہ۔

اس آیت میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے دن دیگر انبیاء کرام کی امتیں عرض کریں گی کہ ہم تک تیرے پیغمبروں نے تیرے احکام نہ پہنچائے تھے ، انبیاء کرام عرض کریں گے کہ ہم نے احکام پہنچا دیئے تھے ، اور اپنی گواہی کے لیے امت مصطفیٰ علیہ السلام کو پیش کریں گے ان کی گواہی پر اعتراض ہو گا کہ تم نے ان پیغمبروں کا زمانہ نہ پایا ، تم بغیر دیکھے کیسے گواہی دے رہے ہو ؟ یہ عرض کریں گے کہ ہم سے حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا ، تب حضور علیہ السلام کی گواہی لی جائے گی۔ آپؐ دو گواہیاں دیں گے ، ایک تو یہ کہ نبیوں نے تبلیغ کی ، دوسرے یہ کہ میری امت والے قابل گواہی ہیں ، بس مقدمہ ختم ، انبیاء کرام کے حق میں ڈگری ، اگر حضور علیہ السلام نے گذشتہ انبیاء کی تبلیغ اور آئندہ اپنی امت کے حالات کو خود چشم حق بین سے ملاحظہ نہیں فرمایا تھا ، تو آپ کی گواہی پر جرح کیوں نہ ہوئی ، جیسی کہ امت کی گواہی پر جرح ہوئی تھی ، معلوم ہوا کہ یہ گواہی دیکھی ہوئی تھی ، اور پہلی سنی ہوئی ، اس سے آپؐ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوا۔

(جاء الحق ص ۱۳۳)

جواب اس استدلال کا سارا مدار اس بات پر ہے کہ گواہی اسی چیز کے بارے میں دی جا سکتی

ہے جس کو آنکھوں سے دیکھا ہو، بلکہ اسی غلط فہمی پر ان کے عقیدہ کا مدار ہے اس لیے اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ کسی چیز کے بارے میں گواہی دینے کے لیے اس کا دیکھنا ضروری نہیں ہے، بلکہ معتبر ذرائع سے کسی بات کا پتہ چل جائے تب بھی اس کے بارے میں گواہی دی جا سکتی ہے، مثلاً ہم پورے یقین کے ساتھ گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اس بات کی بھی گواہی دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور اس کے بندے ہیں، حالانکہ ہم میں سے کسی نے نہ اللہ کو دیکھا ہے، نہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔

احادیث سے استدلال رضاخانی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے پر زیادہ تر وہی حدیثیں پیش کرتے ہیں جو علم غیب کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں، کیوں کہ حاضر و ناظر صرف وہی ہستی ہو سکتی ہے جو عالم الغیب ہو، ان کے علاوہ کچھ اور حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں، جن سے حضورؐ کا حاضر و ناظر ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا، نمونہ کے طور پر ایک حدیث پیش کی جاتی ہے، احمد یار خاں "جاء الحق" میں لکھتے ہیں کہ

مشکوٰۃ شروع باب الفتن فصل اول میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے مدینہ پاک کی ایک پہاڑی پر کھڑے ہو کر صحابہ کرام سے پوچھا کہ جو میں دیکھ رہا ہوں کیا تم بھی دیکھ رہے ہو؟ عرض کیا کہ نہیں، فرمایا فانی اریٰ الفتنَ تقعُ خلالَ بیوتکم کوقع المطر، میں تمہارے گھروں میں بارش کے طرح فتنے گرتے دیکھتا ہوں، معلوم ہوا کہ یزیدی اور حجاجی فتنے جو عرصے کے بعد ہونے والے تھے انہیں بھی ملاحظہ فرما رہے تھے،

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی چشم حق بیں آئندہ کے واقعات اور دور و قریب کے حالات اور حوض کوثر جنت و دوزخ کو ملاحظہ فرماتی ہیں، حضور علیہ السلام کے طفیل حضور کے خدام کو بھی خدائے قدوس یہ قدرت و علم عطا فرماتا ہے (جاء الحق ص۱۴۰)

جواب اس قسم کے واقعات کی حقیقت کو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے خوب سمجھایا ہے کہ کسی نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے کہ سیکڑوں میل دور مصر سے یوسف علیہ السلام کے کرتے کی بو تو آپ نے سونگھ لی، مگر جب بھائیوں نے ان کو کنعان کے قریب ہی ایک کنویں میں ڈالا تھا آپ ان کو نہیں دیکھ سکے، ——— حضرت یعقوبؑ

نے جواب دیا کہ ہمارے احوال آسمان پر چمکنے والی بجلی کی طرح ہیں، جو ایک دم ظاہر ہو کر فوراً پوشیدہ ہو جاتی ہے، (یعنی جب خداوند قدوس کی مہربانی کا فیضان ہوتا ہے تو ہم دور تک دیکھ لیتے ہیں، مگر یہ حالت ہمیشہ نہیں رہتی، کچھ دیر کے بعد ختم ہو جاتی ہے) کبھی ہم بلند اٹاری پر بیٹھے ہوئے ہیں، تو کبھی ہم اپنے پاؤں کی پشت بھی نہیں دیکھ پاتے ؎

یکے پرسید ازاں گم کردۂ فرزند — کہ اے روشن گہر پیر خردمند
زمصرش بوئے پیراہن شمیدی — چرا درچاہ کنعانش ندیدی
بگفت احوال ما برق جہان ست — دمے پیدا دگر دم نہان ست
گہے برطارم اعلیٰ نشینم ... — گہے برپشت پائے خود نہ بینم

(گلستان باب دوم صـ۱۳۳)

اہل حق کے دلائل وبراہین

تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی حاضر وناظر نہیں، حتیٰ کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی حاضر وناظر نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات وحالات سے باخبر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ :

(۱) وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ (سورۂ قصص آیت ۴۴)

آپؐ (کوہ طور کی) غربی جانب میں نہ تھے جب کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس حکم بھیجا، اور نہ آپؐ مشاہدہ فرمانے والے تھے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کوہ طور کی غربی جانب جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملی آپؐ نہ حاضر تھے نہ ناظر۔ اسی طرح سورۂ توبہ جو نزول کے اعتبار سے سب سے آخری سورت ہے اس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

(۲) وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ (توبہ آیت ۱۰۱)

اور کچھ تمہارے گرد پیش کے گنوار اور کچھ مدینہ والوں میں سے ایسے منافق ہیں جو نفاق پر اڑے ہوئے ہیں، آپؐ ان کو نہیں جانتے ہم ان کو جانتے ہیں

نیز اللہ تعالیٰ آپؐ کو حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے تفصیلی قصے سے باخبر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ

(۳) ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ، وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ (سورۂ یوسف آیت ۱۰۲)

یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے، جو وحی کے ذریعہ سے ہم آپؐ کو بتاتے ہیں، اور آپؐ ان (برادرانِ یوسف) کے پاس موجود نہ تھے، جب انہوں نے اپنا ارادہ پختہ کرلیا تھا، اور وہ تدبیر کر رہے تھے

اسی طرح حضرت مریم رضی اللہ عنہا اور حضرت زکریا علیہ السلام کے واقعات سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو باخبر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

(۴) ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ۔ (آل عمران آیت ۴۴)

یہ (واقعات غیب کی خبروں میں سے ہیں جو وحی کے ذریعہ سے ہم آپؐ کو بتاتے ہیں، آپؐ ان کے پاس اس وقت موجود نہ تھے جب وہ اپنے قلموں کو (پانی میں اس غرض سے) ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے، اور نہ آپؐ ان کے پاس اس وقت موجود تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے۔

غور کیجیے! ان آیات میں واقعاتِ مذکورہ کے مواقع پر موجود نہ ہونے کی نفی کتنی وضاحت کے ساتھ کی جارہی ہے؟!

تاویل باطل لیکن احمد یار خاں یہ تاویل کرتے ہیں کہ:

ان آیات میں فرمایا گیا ہے کہ آپؐ بایں جسم پاک وہاں موجود نہ تھے، ان میں یہ کہاں ہے کہ آپؐ ان واقعات کو ملاحظہ بھی نہیں فرما رہے تھے، اس جسد عنصری سے وہاں نہ ہونا اور ہے اور ان واقعات کو مشاہدہ فرمانا اور (جاء الحق ص۱۵۲)

یہ تاویل بالکل لغو ہے، کیوں کہ پہلی آیت میں صراحۃً موجود ہے کہ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ (اور آپ مشاہدہ فرمانے والے تھے) اسی طرح تیسری اور چوتھی آیت میں

پہلے ہی اس کی پیش بندی کر دی گئی ہے کہ آپؐ نے بذات خود ان واقعات کو ملاحظہ نہیں فرمایا، بلکہ ہم نے وحی کے ذریعہ آپؐ کو باخبر کیا ہے۔ جیسا کہ سورہ ہود میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا قصہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ـــــ تِلْكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنتَ تَعْلَمُهَا أَنتَ وَلَا قَوْمُكَ مِن قَبْلِ هَٰذَا ، فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ۔ (سورہ ہود آیت ۴۹) یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے، جو وحی کے ذریعہ سے ہم آپ کو بتاتے ہیں، اس سے پہلے اس قصہ کو نہ آپ جانتے تھے نہ آپ کی قوم، سو صبر کیجیے! یقیناً پرہیزگاروں کے لیے بھلا انجام ہے۔

(۳) نور و بشر کا مسئلہ

اس مسئلہ میں تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ اپنی نوع کے اعتبار سے بشر ہیں، لیکن اوصاف و کمالات میں آپؐ کا کوئی ثانی اور مثل نہیں ہے، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم "اختلاف امت اور صراط مستقیم" میں رقمطراز ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں میرا عقیدہ یہ ہے کہ آپ اپنی ذات کے اعتبار سے نہ صرف نوع بشر میں داخل ہیں، بلکہ افضل البشر ہیں نہ صرف انسان ہیں، بلکہ نوع انسانی کے سردار ہیں نہ صرف آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں بلکہ آدم اور اولادِ آدم کے لیے سرمایہ افتخار ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم خود ارشاد نبوی ہے: أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (مشکوٰۃ شریف ص۵۱۱) میں اولادِ آدم کا سردار ہوں گا قیامت کے دن ـــــ اس لیے آپؐ کا بشر، انسان اور آدمی ہونا نہ صرف آپؐ کے لیے طرۂ افتخار ہے، بلکہ آپؐ کے بشر ہونے سے انسانیت و بشریت رشک ملائکہ ہے، ـــــ جس طرح آپؐ اپنی نوع کے اعتبار سے بشر ہیں، اسی طرح آپؐ صفتِ ہدایت کے لحاظ سے ساری انسانیت کے لیے مینارۂ نور ہیں، یہی نور ہے جس کی روشنی میں انسانیت کو خدا تعالیٰ کا راستہ مل سکتا ہے، اور جس کی روشنی ابد تک درخشندہ و تابندہ رہے گی، لہٰذا میرے عقیدہ میں آپ بیک وقت نور بھی ہیں اور بشر بھی، اور میرے نزدیک نور و بشر کو دو خانوں میں بانٹ کر ایک کی نفی اور دوسرے کا اثبات غلط ہے (اختلاف امت اور صراط مستقیم ص۳۷)

اور رضاخانی علماء کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشر اور انسان ہیں اور جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر اور انسان نہ مانے وہ کافر ہے، مفتی احمد یار خان

"شان حبیب الرحمٰن" میں لکھتے ہیں ——— ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام اللہ کے بندے اور اس کے محبوب، ان کی جلوہ گری انسانوں میں ہوئی، مگر ان کو بشر یا بھائی یا باوا یا انسان یا آدمی کہہ کر پکارنا حرام ہے، اور اگر بہ نیت توہین کہا تو کہنے والا کافر ہے۔ (ص ۱۰۳)

اور رضاخانیوں کے شیخ الاسلام سید محمد مدنی کچھوچھوی فضیلت رسول پر تقریر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: ——— ہم پر افتراء اور بہتان رکھا جاتا ہے کہ ہم نبی کو انسان نہیں مانتے ہم نبی کو بشر نہیں مانتے، تو میں پورے دعوے کے ساتھ اطمینان و ایقان کی منزل سے کہتا ہوں کہ دیکھو جہاں تک ماننے کا سوال ہے، نبی کو جو بشر نہ مانے، انسان نہ مانے، وہ کافر ہے، اب اس سے زیادہ کون سی بات کہی جا سکتی ہے، سوال یہ نہیں کہ نبی انسان ہیں کہ نہیں، سوال تو اس وقت اٹھتا ہے جب تم کہتے ہو ہمارے جیسے ہیں۔ (خطبات برطانیہ ص ۱۴۳ مطبوعہ مکتبہ غریب نواز الٰہ آباد)

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے، مگر پھر بھی نور و بشر کا مسئلہ اس لیے پیدا ہوا کہ سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ — بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور (روشنی)
كِتَابٌ مُّبِيْنٌ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ — اور واضح کتاب آئی ہے جس سے اللہ تعالیٰ اس شخص
مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلَامِ (آیت ۱۶) — کو سلامتی کی راہیں دکھاتے ہیں جو رضائے الٰہی کا طالب ہے

یہاں "نور" سے مراد قرآن پاک ہے، اور عطف تفسیری ہے، یعنی تمہارے پاس روشن اور واضح کتاب آئی ہے ——— اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ میں واحد کی ضمیر لائی گئی ہے، اگر "نور" اور "کتاب مبین" سے دو الگ الگ چیزیں مراد ہوتیں تو واحد کی ضمیر لانا صحیح نہ ہوتا، اور دوسری دلیل یہ ہے کہ جس طرح اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ (مائدہ آیت ۴۴) اور وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ (مائدہ آیت ۴۶) میں تورات اور انجیل کو "نور" کہا گیا ہے، اسی طرح یہاں قرآن پاک کو "نور" کہا گیا ہے۔

مگر رضاخانی "نور" سے حضور اکرم کی ذات قدسیہ مراد لیتے ہیں، اور اس بات کو اتنا بڑھاتے ہیں، اور اس انداز سے عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ بہت سے جاہل عوام یہ سمجھتے ہیں کہ حضور نور ہیں، بشر نہیں، حالانکہ آپ نے خود رضاخانی علماء کی زبانی سن لیا کہ جو حضور کو

بشر نہ مانے وہ کافر ہے۔

نیز رضاخانی حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید اور اکابر علماء دیوبند پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا انسان سمجھتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ صرف بڑے بھائی جتنا تسلیم کرتے ہیں، حالانکہ یہ خالص بہتان اور صریح جھوٹ ہے، نہ علمائے دیوبند کا یہ عقیدہ ہے نہ حضرت شہید رحمہ اللہ کا یہ مسلک ہے، حضرت مولانا اسماعیل شہید اور علمائے دیوبند کا وہی عقیدہ ہے جو تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ اپنی نوع کے اعتبار سے بشر ہیں لیکن اوصاف و کمالات میں آپ کا کوئی ثانی اور مثل نہیں اور خداوند قدوس کے بعد سب سے افضل آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں خود حضرت مولانا اسماعیل شہید رح "تقویۃ الایمان"، میں فرماتے ہیں کہ

"سب انبیاء اولیاء کے سردار پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تھے، اور لوگوں نے انہیں کے بڑے بڑے معجزے دیکھے، انہیں سے سب اسرار کی باتیں سیکھیں اور سب بزرگوں کو انہیں کی پیروی سے بزرگی حاصل ہوئی"۔ (تقویۃ الایمان ص۵۸)

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا ✻ عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

محمد امین پالنپوری

کتبہٗ: سہیل احمد اریاوی

سید شمس الإسلام
۸/ مسجد قدیم

بابت سنہ ۱۴۱۵ھ

چوتھا محاضرہ علمیہ

بر موضوع

ردِّ رضاخانیت

پیش کردہ

حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالنپوری

استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱	توحید کی تعریف	۳
۲	شرک کی تعریف	۳
۳	مشرکین کی قسمیں	۴
۴	شرک کی مختلف شکلیں	۴
۵	نبی اور مجتہد شارح نہیں ہوتے	۷
۶	شرک کے اسباب	۸
۷	وارثین انبیاء کی ذمہ داری	۹
۸	مختار کل کا مسئلہ	۱۰
۹	غیر اللہ سے مدد طلب کرنا	۱۳
۱۰	غیر اللہ کو پکارنے کی پانچ صورتیں اور ان کے احکام	۱۴
۱۱	غیر اللہ کے نام کا ورد کرنا	۱۶
۱۲	قبروں کا طواف اور سجدہ وغیرہ کرنا	۱۷
۱۳	قبروں پر چڑھاوے چڑھانا	۱۸
۱۴	حکم لگانے میں احتیاط	۲۰

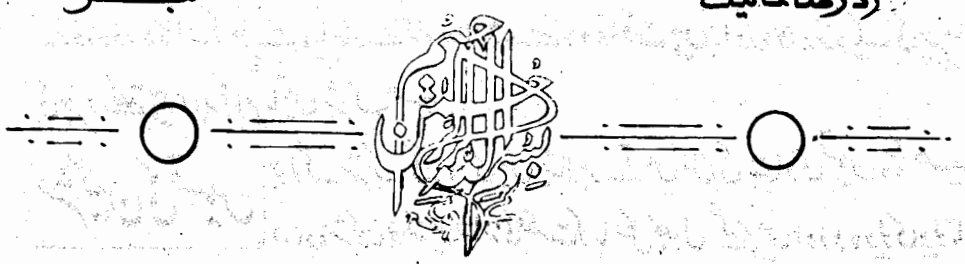

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ، لَا شَرِیْکَ لَہٗ، لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

امابعد! گذشتہ محاضرے میں رضاخانیوں کی کچھ اعتقادی بدعات کو بیان کیا گیا تھا، اس محاضرے میں ان کی دیگر اعتقادی بدعات اور اعمال شرکیہ کو بیان کیا جارہا ہے، لیکن پہلے توحید وشرک کی تعریف، مشرکین کی قسمیں اور شرک کی مختلف شکلیں بیان کی جاتی ہیں، تاکہ اعتقادی بدعت اور اعمالِ شرکیہ کو پہچاننا آسان ہو۔

توحید کی تعریف توحید اس کا نام ہے کہ دل سے کامل یقین رکھے، اور زبان سے اس بات کا اقرار بھی کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں یکتا ہے، اور اپنی صفات میں منفرد ہے، ذات وصفات میں اس کا کوئی مثل اور ثانی نہیں (لیس کمثلہٖ شیءٌ) اور عبادت وپرستش صرف اسی کا حق ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں (لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ)

شرک کی تعریف اور شرک کی تعریف یہ ہے کہ دل میں یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات میں کسی دوسری ہستی کا ساجھا ہے ــــــ ذات میں شریک کرنے کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ کی طرح کسی اور ہستی کو واجب الوجود اور قدیم مانے، جیسے آتش پرستوں کا عقیدہ ہے کہ خدا دو ہیں: یَزْدَاں (خیر کا خالق) اور اَہْرَمَنْ (شر کا خالق)

اور صفات میں شریک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جیسی صفات کسی دوسری ہستی کے لیے ثابت کرے، مثلاً یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ کی طرح فلاں ہستی عبادت کے لائق ہے، یا فلاں بزرگ بارش برسا سکتے ہیں، یا بیٹا بیٹی دے سکتے ہیں، یا مرادیں پوری کرسکتے ہیں، یا روزی دے سکتے ہیں، یا مارنا جلانا ان کے قبضۂ قدرت میں ہے یا کسی کو نفع اور نقصان پہچانے پر قدرت رکھتے ہیں، یا یہ اعتقاد رکھے کہ فلاں پیغمبر یا ولی خدا کی طرح غیب کا علم رکھتے ہیں، اور کائنات

کے ذرہ ذرہ کا ان کو علم ہے، یا ہمارے تمام حالات سے وہ واقف ہیں، اور دور و نزدیک کی چیزوں کی خبر رکھتے ہیں، یہ تمام باتیں شرک ہیں۔

مشرکین کی قسمیں جو لوگ شرک کی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں ان کی بنیاد کی قسمیں دو ہیں،

(۱) وہ مشرکین جو اللہ جل شانہٗ کی عظمت کو بالکل بھول گئے ہیں اور وہ دیوی دیوتاؤں ہی کی پوجا کرتے ہیں، ان ہی کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف وہ کبھی متوجہ نہیں ہوتے، اگرچہ وہ اس بات کو مانتے ہیں کہ موجودات کا سلسلہ اللہ تعالیٰ پر منتہی ہوتا ہے سب کو وجود بخشنے والا وہی ہے، مگر یہ بات ماننے کے باوجود ان کی عبادتوں میں اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی حصہ نہیں ہے، نہ کبھی وہ اللہ سے اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں،

(۲) وہ مشرکین جو اللہ تعالیٰ کو بڑا اور کائنات کا مُدَبِّر مانتے ہیں مگر وہ یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ اللہ کبھی اپنے مخصوص بندوں کو بزرگی اور خدائی کا لباس پہنا دیتے ہیں، اور ان کو کچھ مخصوص کاموں کا اختیار دے دیتے ہیں اور جو لوگ ان کی عبادت کرتے ہیں ان کے حق میں وہ مخصوص بندے سفارش کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کی سفارش قبول فرماتے ہیں، جیسے بادشاہ مختلف صوبوں کا گورنر مقرر کرتا ہے اور بڑے بڑے کام چھوڑ کر دیگر کاموں میں ان کو مختار کل بنا دیتا ہے، اور ان کی اطاعت دوسروں پر واجب کر دیتا ہے، اور ان کی سفارش ان کے خداموں کے حق میں قبول کرتا ہے۔

یہ عقیدہ رکھنے والے اللہ کے مخصوص بندوں کو ,, اللہ کا بندہ ،، کہنے کے روادار نہیں ہوتے ان کو ,, اللہ کا بندہ ،، کہنے سے ان کے خیال میں شاہ و گدا برابر ہو جاتے ہیں، اس لیے وہ ان کو ,, اللہ کا بندہ ،، کہنے کے بجائے ,, اللہ کا بیٹا ،، یا ,, اللہ کا محبوب ،، کہتے ہیں، اور اپنے آپ کو ان محبوبوں کا بندہ کہتے ہیں، اور اپنا نام عبد المسیح، عبد العزّیٰ، عبد النبی، عبد الرسول اور عبد المصطفیٰ وغیرہ رکھتے ہیں

شرک کی مختلف شکلیں شرک ایک مخفی اور پوشیدہ چیز ہے، اس کا مشاہدہ نہیں کیا جا سکتا، اور شریعت ایسی صورت میں کسی واضح علامت کو اس مخفی امر کے قائم مقام گردانتی ہے، مثلاً ناقض وضو حقیقت میں خروج ریح ہے، مگر سو جانے کے بعد اس کا ادراک نہیں ہو سکتا، اس لیے شریعت نے ,, نوم غالب ،، کو خروج ریح کے قائم مقام کر دیا ہے

——— اسی طرح سفر میں نماز قصر کرنے اور روزہ افطار کرنے کی اجازت کی حقیقی علت ،،مشقت،، ہے مگر اس کا اندازہ چونکہ مشکل ہے اس لیے شریعت نے ،،مسافتِ شرعی،، کو مشقت کے قائم مقام کر دیا ہے، ——— ٹھیک اسی طرح شریعت نے کچھ محسوس چیزوں کو حقیقی شرک کے قائم مقام گردانا ہے، کیوں کہ وہ محسوس باتیں ایسی ہیں کہ اگر پہلے سے شرک نہ بھی ہو، تب بھی ان کاموں کے کرنے سے شرک پیدا ہو جاتا ہے، مثال کے طور پر بتوں کو سجدہ کرنا، استھانوں پر قربانی کرنا، دیوی دیوتاؤں کی قسم کھانا وغیرہ ایسے امور ہیں جو یقیناً مفضی الی الشرک ہیں، ——— اور شریعت جب کسی محسوس چیز کو مخفی چیز کے قائم مقام کر دیتی ہے تو پھر حکم کا مدار اس محسوس چیز پر ہو جاتا ہے، حقیقت کے پائے جانے پر حکم کا مدار نہیں رہتا۔

خلاصہ یہ کہ شرک ایک معنوی اور مخفی چیز ہے، اور اس کے لیے ظاہری شکلیں اور پیکر ہائے محسوس ہیں، اور دین میں معنویات سے بحث کم ہوتی ہے، اصل احکام ظاہری شکلوں پر لگتے ہیں، چنانچہ جو باتیں شرک کا مظنہ تھیں، شریعت نے ان کو شرک قرار دے کر ان کے ارتکاب سے لوگوں کو روک دیا ہے، ذیل میں شرک کی انہی شکلوں کو ذکر کیا جاتا ہے۔

پہلی شکل زمانہ جاہلیت میں لوگ بتوں کو اور ستاروں کو سجدہ کرتے تھے، اس لیے غیر اللہ کو سجدہ کرنے سے منع کر دیا گیا، اور صرف ایک اللہ کے لیے جو خالق حقیقی و مالک ہے سجدہ مخصوص کر دیا گیا کیوں کہ شرک فی السجدہ اور شرک فی التدبیر میں چولی دامن کا ساتھ ہے، جب بھی کسی کو سجدہ کیا جائے گا تو رفتہ رفتہ اس کو انتظامِ کائنات میں اللہ کا شریک و سہیم بھی تصور کر لیا جائے گا

دوسری شکل کچھ لوگ غیر اللہ سے مدد طلب کیا کرتے تھے، یعنی بیماروں کے لیے شفا، غریبوں کے لیے خوشحالی کی درخواستیں ماسوا اللہ سے کیا کرتے تھے، اور اس سلسلہ میں غیر اللہ کی منتیں بھی مانتے تھے، ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ہماری اس نذر و نیاز سے یہ حضرات خوش ہو کر ہماری حاجتوں کو پورا کریں گے، نیز لوگ غیر اللہ کے نام کا وظیفہ بھی پڑھتے تھے، اس خیال سے کہ ان کے نام کا وظیفہ پڑھنے سے برکت ہو گی ——— شریعت نے شرک کی اس قسم کا بھی قلع قمع کر دیا ہے، اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ہر نماز میں یہ پڑھا کریں کہ ایاک نعبد وایاک

نستعین (اے اللہ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور ہم آپ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں)، اس طرح جب مسلسل یہ عقیدہ مستحضر رہے گا تو کوئی مسلمان غیر اللہ سے اپنی حاجت کبھی طلب نہیں کرے گا۔

تنبیہ غیر اللہ سے اسبابِ ظاہری کے درجہ میں مدد طلب کرنا جائز ہے، مثلاً کسی زندہ شخص سے کسی حاجت میں مدد طلب کرنا، لیکن اسبابِ خفیہ کے سہارے اللہ کے سوا کسی سے بھی مدد طلب کرنا شرک ہے، خواہ زندہ بزرگ ہو یا وفات یافتہ۔

تیسری شکل کچھ لوگ اللہ کے بعض مخصوص بندوں کو اللہ کے بیٹے اور بیٹیاں قرار دیتے تھے اور ان کو خدائی صفات و کمالات کا حامل گردانتے تھے، اس لیے شرک کی اس شکل سے بھی شریعت نے سختی سے روک دیا ہے۔

چوتھی شکل کچھ لوگ اپنے مشائخ کو اس معنی کر کے "رب" بنا لیتے تھے کہ وہ جس چیز کو حلال کہدیں، اسے حلال سمجھ لیتے تھے، اور وہ جس چیز کو حرام ٹھہرا دیں اس کو حرام سمجھ بیٹھتے تھے، یہ بھی شرک کی ایک شکل ہے قرآن مجید میں اس کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:۔

اتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا	یہود و نصاریٰ نے اپنے عالموں اور بزرگوں کو اللہ
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ	کو چھوڑ کر رب بنا لیا ہے، اور مسیح ابن مریم کو بھی
وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا	حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ فقط ایک خدا کی عبادت
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ	کریں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ
(سورہ توبہ آیت ۳۱)	لوگوں کے شرک سے پاک ہے۔

حاتم طائی کے لڑکے حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے جو پہلے عیسائی تھے، مسلمان ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے مشائخ اور بزرگوں کو رب کیوں کر بنا لیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہی جواب دیا تھا کہ ان کے مشائخ جس چیز کو حلال کرتے تھے اس کو حلال سمجھ لیتے تھے، اور جس چیز کو حرام ٹھہراتے تھے وہ اس کو حرام سمجھ بیٹھتے تھے، (ترمذی ص ۱۳۶ ج ۲)

نبی اور مجتہد شارع نہیں ہوتے یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ انبیاء کرام جو احکام بیان فرماتے ہیں یا مجتہدین عظام جو مسائل مستنبط کرتے ہیں تو درحقیقت یہ حضرات شارع یعنی تحلیل و تحریم کے مالک نہیں ہوتے، نبی کی طرف تحلیل و تحریم کی نسبت محض واسطہ ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے، درحقیقت وہ احکام اللہ ہی کے مقرر کیے ہوئے ہیں، اور مجتہدین کی طرف مستنبط کیے ہوئے احکام کی نسبت واسطہ در واسطہ ہونے کی وجہ سے کی جاتی ہے ——— واسطہ در واسطہ بننے کی دو صورتیں ہیں، ایک نص کو روایت کرکے لوگوں تک پہنچانا، دوسرے نص میں غور کرکے اس کا مطلب اور اس سے ثابت شدہ احکام لوگوں کو بتانا، چنانچہ تمام علماء کا اتفاق ہے کہ قیاس مثبت حکم نہیں بلکہ مظہر حکم ہے، یعنی قیاس و اجتہاد سے کسی چیز کی حلت و حرمت کو ثابت نہیں کیا جاتا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حلال یا حرام کر دیا ہے، مجتہد اپنے اجتہاد سے اس کی حلت و حرمت کو واضح کرتا ہے اسی لیے وہی قیاس حجت شرعیہ ہے جو کتاب و سنت اور اجماع امت سے مستنبط ہو،

پانچویں شکل لوگ بتوں کی اور ستاروں کی نزدیکی حاصل کرنے کے لیے ان کے لیے بھینٹ چڑھایا کرتے تھے، اور اس کی دو شکلیں ہوتی تھیں (۱) کبھی تو جانور ذبح کرتے وقت بلند آواز سے ان شرکاء کا نام لیا کرتے تھے، (۲) اور کبھی ان کے مخصوص استھانوں پر لے جاکر جانور ذبح کیا کرتے تھے، اور زبان سے کچھ نہیں کہتے تھے،

شریعت نے شرک کی اس صورت کو بھی ممنوع قرار دیا ہے، قرآن پاک میں مَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ اور مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ کو مردار قرار دیا گیا ہے۔

چھٹی شکل اسلام سے پہلے کچھ لوگ مختلف طرح سے جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا کرتے تھے، کسی کو بحیرۃ اور سائبہ کہتے تھے، کسی کو وصیلہ اور حام کہتے تھے اور ان کا مقصد ان باطل خداؤں کی نزدیکی اور قرب حاصل کرنا ہوتا تھا، جن کے نام پر وہ جانور آزاد کیے جاتے تھے، قرآن کریم میں شرک کی اس صورت کو بھی حرام کر دیا گیا ہے،

ساتویں شکل لوگ ناموں کو بڑا بابرکت سمجھتے تھے، وہ خیال کرتے تھے کہ اگر ان ناموں کی جھوٹی قسم کھائی جائے گی تو تباہی آجائے گی، چنانچہ جب کسی کو قسم کھلانے کا موقع آتا

تو وہ ان شرکاء کے نام کی قسم کھلاتے کہ کھاؤ لات وعزیٰ کی قسم! اور جاہل مسلمان کہتے ہیں کہ کھاؤ پیر کی قسم! کھاؤ غوث پاک کی قسم! کھاؤ مولیٰ علی کی قسم! شریعت نے شرک کی اس شکل کو بھی ممنوع قرار دیا ہے، ترمذی شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ اَشْرَكَ — جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے اس غیر کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا۔

(ترمذی شریف ص۱۸۵ ج۱)

آٹھویں شکل اسلام سے پہلے کچھ لوگ اپنی اولاد کا نام عبدالعزیٰ، عبدشمس وغیرہ رکھتے تھے، اور جاہل مسلمان اپنی اولاد کا نام عبدالرسول، عبدالنبی، عبدالمصطفیٰ وغیرہ رکھتے ہیں، شریعت نے شرک کی اس صورت کو بھی ممنوع قرار دیا ہے، متعدد احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ جن صحابۂ کرام کے نام عبدالعزیٰ، عبدالشمس وغیرہ تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نام بدل دیئے تھے، کسی کا نام عبدالرحمٰن رکھا تھا تو کسی کا عبداللہ، لہٰذا جن مسلمانوں کے والدین نے ایسے مشرکانہ نام رکھے ہوں ان کو بدل دینا ضروری ہے، نیز غلام نبی، غلام رسول، غلام مصطفیٰ، غلام جیلانی وغیرہ نام بھی اچھے نہیں ہیں، کیوں کہ اگرچہ غلام بمعنیٰ نوکر اور خادم آتا ہے مگر "عبد" کا ترجمہ بھی غلام ہی ہے۔

الحاصل مذکورہ بالا تمام صورتیں شرک کے پیکر ہائے محسوس ہیں اور یہ وہ چور دروازے ہیں جن سے شرک در آنے کی کوشش کرتا ہے، اس لئے شریعت نے ان تمام شکلوں کو حرام قرار دیا ہے، ان سے اجتناب کرنا نہایت ضروری ہے۔

شرک کے اسباب اس کے بعد جاننا چاہیے کہ شرک میں مبتلا ہونے کے دو سبب ہوتے ہیں، (۱) نصوص شرعیہ کو غلط معانی پہنانا ——— خدائی صفات اور انسانی صفات کے لیے نصوص میں ملتے جلتے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، مثلاً قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کو بھی رؤف رحیم کہا گیا ہے، اور سورۂ توبہ کے آخر میں یہی صفات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی بیان کی گئی ہیں، اسی طرح سمیع وبصیر اللہ کی صفتیں ہیں، اور سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں ایک تفسیر کے مطابق یہی صفتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بیان ہوئی ہیں مگر ظاہر ہے کہ خالق ومخلوق کی صفات میں زمین وآسمان کا فرق ہوتا ہے، لیکن کچھ لوگ حضور اکرم ﷺ کی شان

میں غلو کرتے ہوئے اللہ جیسی صفات کے قائل ہو جاتے ہیں، جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ ؑ کے ساتھ یہی معاملہ کیا تھا، اور یہی شرک کی حقیقت ہے کہ خدائی صفات کسی بندے میں بعینہٖ یا کسی بھی درجہ میں مان لی جائے۔

(۲) خرقِ عادت معاملات کی حقیقت کو نہ جاننا ــــــــ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی انسان کے ذریعہ یا فرشتے کے ذریعہ کوئی ایسا کام ظہور پذیر ہوتا ہے جس کو عام طور پر انسان نہیں کر سکتے، تو جاہل لوگ غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں اور وہ اس انسان کو یا فرشتے کو خدائی صفات اور بالائی طاقتوں کا حامل سمجھ لیتے ہیں، اور ان کو دیوی دیوتا قرار دے کر، یا غوث، قطب نام دے کر ان کے ساتھ خدائی معاملات کرنے لگتے ہیں۔

الغرض ان دو سببوں سے لوگوں میں شرک کی بیماری پھیلتی ہے، پھر وہی بیماری نسلوں تک چلتی رہتی ہے

وارثین انبیاء کی ذمہ داری انبیاء کرام اور ان کے وارثین علماء امت کی سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ لوگوں کو شرک کی حقیقت سمجھائیں، اور خدائی صفات اور بندوں کی صفات کے درمیان جو فرقِ مراتب ہے، اس کو اچھی طرح ذہن نشین کرائیں کہ صفات کا حقیقی اور اعلیٰ ترین درجہ اللہ جلّ شانہ کے لیے مخصوص ہے، اس میں کسی کو شریک کرنا توحید کے سراسر منافی ہے، اگرچہ الفاظ ملتے جلتے ہیں، اللہ کے مقبول بندوں کے لیے بھی وہی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، مگر ان کی صفات کا درجہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے فروتر ہے، مثلاً "طبیب"، یعنی شفا دینے والا درحقیقت اللہ جلّ شانہٗ ہے، مگر مجازی معنیٰ کے اعتبار سے بندے بھی "طبیب" کہلاتے ہیں، اسی طرح سید، آقا اور مولیٰ کامل معنیٰ کے اعتبار سے صرف اللہ تعالیٰ ہیں، اور مجازی معنیٰ کے اعتبار سے بندے بھی سید، آقا اور مولیٰ کہلاتے ہیں،

ایک موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا میں "طبیب" ہوں، فرمایا تھا کہ آپ تو مہربان ہیں، آپ کے دل میں میری پریشانی دیکھکر جذبہ ترحم ابھرا ہے، اور طبیب یعنی شفا دینے والے تو صرف اللہ تعالیٰ ہیں، ــــــــ اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ سید اور آقا صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔

ان دونوں حدیثوں کا مطلب یہی ہے کہ حقیقی معنیٰ کے اعتبار سے شفا بخشنے والے اور سید و آقا

صرف اللہ تعالیٰ ہیں، ان حدیثوں کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مجازی معنیٰ کے اعتبار سے بھی کسی انسان کو طبیب اور آقا و سید نہیں کہہ سکتے۔

اس مثال سے یہ بات بخوبی سمجھی جا سکتی ہے کہ اعلیٰ اور ادنیٰ دونوں مرتبوں کے لیے ایک ہی لفظ کس طرح استعمال کیا جاتا ہے، اور کس طرح حقیقی اور مجازی معنیٰ میں تفاوت ہوتا ہے ــــ اسی طرح سمجھنا چاہیے کہ اللہ کے رؤف و رحیم ہونے کا درجہ اور ہے، وہ صفات کا حقیقی اور اعلیٰ ترین مرتبہ ہے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رؤف و رحیم ہونا اور ہے، یہ صفات کا مجازی اور فروتر درجہ ہے، یہی حال سمیع و بصیر اور دوسری صفات کا ہے، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حجۃ اللہ البالغہ ص۶۰ تا ص۶۳ جلد اول، باب فی بیان حقیقۃ الشرک اور باب اقسام الشرک۔

اس تمہید کے بعد رضاخانی فرقہ کی چند اعتقادی بدعات اور کچھ اعمالِ شرکیہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے

(۱) مختارِ کل کا مسئلہ

"مختار" اختیار سے اسم فاعل کا صیغہ بھی ہو سکتا ہے، اور اسم مفعول کا بھی اگر اسم فاعل کا صیغہ ہو تو اس کے معنیٰ ہوں گے "اختیار رکھنے والا" اور اسم مفعول ہو تو اس کے دو معنیٰ ہو سکتے ہیں (۱) اختیار دیا ہوا (۲) برگزیدہ اور چنا ہوا۔

اگر کوئی شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسم مفعول کے پہلے معنیٰ یا اسم فاعل کے معنیٰ کے اعتبار سے "مختار کل" کہتا ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ کائنات میں تصرّف کرنے کا کلّی اختیار آپؐ کو دے دیا گیا تھا، یا کائنات میں تصرف کرنے کا آپؐ کلی اختیار رکھتے تھے، تو ایسا عقیدہ رکھنے والا مشرکین عرب سے بھی بدتر مشرک ہے، کیوں کہ مشرکین عرب بھی اپنے دیوتاؤں کے لیے کلی اختیار نہیں مانتے تھے، بلکہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض مخصوص بندوں کو جزوی اختیارات دیے ہیں، قرآن پاک میں ہے کہ:-

قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ، سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ۔

(سورۂ مومنون آیت ۸۹،۸۸)

آپؐ (مشرکین سے) پوچھیے کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے؟ اور وہ پناہ دیتا ہے؟ اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا (بتاؤ) اگر تم جانتے ہو؟ وہ ضرور یہی جواب دیں گے کہ ایسا اختیار صرف اللہ کو حاصل ہے۔

اور اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسم مفعول کے دوسرے معنیٰ کے اعتبار سے مختار کل کہے تو یہ بھی درست نہیں ہے، کیوں کہ لفظ مختار کے ساتھ لفظ کل مل جانے کے بعد اسم مفعول کے دوسرے معنیٰ کسی طرح درست نہیں ہو سکتے، "مختار کل" مرکب اضافی ہے جس کے معنی ہیں سب چیزوں کا اختیار دیا ہوا، اس کا یہ ترجمہ کرنا کہ "ساری مخلوقات میں سے چنیدہ اور برگزیدہ" ہرگز درست نہیں ہے، صرف لفظ مختار بول کر اسم مفعول کے ثانی معنیٰ مراد لینا بے شک درست ہے مثلاً کہیں کہ "محمد مختار" کیوں کہ اب یہ مرکب توصیفی ہے جس کے معنیٰ ہیں "برگزیدہ محمد" اور یہ معنیٰ درست ہیں

الغرض اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برگزیدہ پیغمبر اور مخلوقات میں سب سے افضل ہیں، لیکن رضاخانی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو برگزیدہ پیغمبر ہونے کے اعتبار سے مختار کل نہیں کہتے، بلکہ اس لئے مختار کل کہتے ہیں کہ ان کے خیال میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کائنات میں تصرف کرنے کا کلی اختیار دے دیا گیا ہے، خود خاں صاحب بریلوی لکھتے ہیں کہ:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر قسم کی حاجت روائی فرما سکتے ہیں، دنیا اور آخرت کی مرادیں سب حضور کے اختیار میں ہیں" (برکات الامداد ص۸ اور ملفوظات حصہ چہارم ص۷)

نیز خاں صاحب شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی شان میں کہتے ہیں ؎

ذی تصرف بھی ہے، ماذون بھی مختار بھی ہے ؎ کارِ عالم کا مدبر بھی ہے عبدالقادرؒ

(حدائق بخشش ص۱۹)

مزید کہتے ہیں ؎

احد سے احمد اور احمد سے تجھ کو کن اور سب کن کا کن حاصل ہے یا غوث

(حوالہ سابق ص۸۵)

اس کے برخلاف تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ پوری کائنات کا نظام صرف اللہ جل شانہٗ کے قبضہ قدرت میں ہے، اور اس میں اس کا کوئی شریک وسہیم نہیں ہے، موت وحیات، صحت ومرض، عطا وبخشش اور نفع ونقصان کے مالک ومختار صرف اللہ تعالیٰ ہیں، اللہ تعالیٰ نے کسی نبی یا ولی کو کائنات میں تصرف کرنے کا کلی یا جزوی اختیار عطا نہیں فرمایا، ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (سورہ اعراف ایہ ۱۸۸) آپ فرما دیجیے کہ میں نہ اپنی جان کے بھلے کا مالک ہوں نہ برے کا، مگر جو اللہ تعالیٰ چاہیں۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بارے میں جو عقیدہ تھا وہ یہ ہے:

"حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ میں ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا، آپؐ نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا: اے لڑکے! تو اللہ کے حقوق کی حفاظت کر اللہ تیری حفاظت فرمائیں گے، تو اللہ کے حقوق کی حفاظت کر، اللہ کو تو اپنے سامنے پائے گا، اور جب کچھ مانگنا ہو تو اللہ سے مانگ، اور جب مدد کی ضرورت ہو تو اللہ سے مدد طلب کر، اور یقین رکھ کہ ساری امت اگر تجھے کوئی نفع پہنچانے کے لیے جمع ہو جائے تو تجھے کوئی نفع نہیں پہنچا سکتی، سوائے اس کے جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے۔ اور اگر ساری امت تجھے کوئی نقصان پہنچانے کے لیے جمع ہو جائے تو تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی سوائے اس کے جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف صـ۴۵۳)

اور پیران پیر حضرت عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں کہ:

اِنَّ الْخَلْقَ عَجْزٌ عَدَمٌ، لَا هَلَكَ بِاَيْدِيهِمْ وَلَا مُلْكَ، لَا غِنًى بِاَيْدِيهِمْ وَلَا فَقْرَ وَلَا ضَرَّ بِاَيْدِيهِمْ وَلَا نَفْعَ وَلَا مُلْكَ عِنْدَهُمْ اِلَّا اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ، لَا قَادِرَ غَيْرُهٗ، وَلَا مُعْطِيَ وَلَا مَانِعَ وَلَا ضَارَّ وَلَا نَافِعَ غَيْرُهٗ وَلَا مُحْيِيَ، وَلَا مُمِيتَ غَيْرُهٗ

(الفتح الربانی مجلس ۶۱)

بے شک ساری مخلوق عاجز اور کالعدم ہے، نہ ہلاکت ان کے ہاتھ میں ہے نہ ملک، نہ مالداری ان کے قبضہ میں ہے نہ فقر، نہ نقصان ان کے اختیار میں ہے نہ نفع، اللہ جل شانہ کے سوا ان کے نزدیک نہ کوئی حاکم ہے، نہ اس کے سوا کوئی قادر ہے، نہ اس کے سوا کوئی دینے والا ہے نہ روکنے والا ہے، نہ کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع دے سکتا ہے، نہ اس کے سوا کوئی زندگی بخش سکتا ہے، نہ موت دے سکتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ الفوز الکبیر میں ارقام فرماتے ہیں کہ

شرک آنست کہ غیر خدا را صفاتِ مختصۂ خدا اثبات نماید، مثل تصرف در عالم بارادہ کہ تعبیر ازاں بکن فیکونی می شود (صـ۸)

شرک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی ہستی کے لیے اللہ تعالیٰ کی خاص صفات ثابت کی جائیں مثلاً اپنے ارادہ سے عالم میں تصرف کرنا جسکو کن فیکونی تصرّف کہا جاتا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ "ارشاد الطالبین" میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

اولیاء قادر نیستند بر ایجاد معدوم یا اعدام موجود

اولیاء کرام معدوم کو وجود بخشنے پر یا موجود کو معدوم کرنے

پس نسبت کردن ایجاد و اعدام و اعطائے رزق یا اولاد و دور فع بلاد مرض و غیر آں بسوئے شاں کفر است۔ (ص۲)

پر قادر نہیں ہیں، بس وجود بخشنے یا معدوم کرنے یا رزق اور اولاد عطا کرنے یا بیماری اور بلا وغیرہ دور کرنے کی ان کی طرف نسبت کرنا کفر ہے۔

(۲) غیر اللہ سے مدد طلب کرنا

امور عادیہ میں یعنی ایسے کاموں میں جو انسان کی قدرت و اختیار میں ہے، صرف زندہ شخص سے مدد طلب کرنا درست ہے، مثلاً کوئی غریب کسی امیر سے کہے کہ میں محتاج ہوں خدا کے واسطے میری مدد کیجیے تو یہ جائز ہے، لیکن امور غیر عادیہ میں یعنی ایسے کاموں میں جو انسان کی قدرت و اختیار میں نہیں ہے کسی بھی شخص سے مدد طلب کرنا حرام اور ناجائز ہے، چاہے وہ زندہ بزرگ ہو یا فوت شدہ ولی یا نبی ہو مثلاً کسی ولی یا نبی سے اولاد، شفاء اور بارش طلب کرنا، یا کسی ولی یا نبی سے بلائیں دور کرنے کی درخواست کرنا حرام اور شرک جلی ہے، ارشاد خداوندی ہے:۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ، فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ، وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ، وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ۔

(سورہ یونس آیت ۱۰۶-۱۰۷)

اور مت پکارو اللہ کے سوا ایسے کو کہ نہ بھلا کرے تیرا اور نہ برا، پھر اگر تو ایسا کرے گا تو تو بھی اس وقت ظالموں (یعنی مشرکوں) میں سے ہوگا، اور اگر پہنچا دیویں تجھ کو اللہ تعالیٰ کچھ تکلیف تو کوئی نہیں اس کو ہٹانے والا، اس کے سوا، اور اگر پہنچانا چاہیں تجھ کو کچھ بھلائی تو کوئی پھیرنے والا نہیں اسکے فضل کو

نیز ارشاد خداوندی ہے:۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ

(سورہ احقاف آیت ۵)

اور اس شخص سے بڑا گمراہ کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسی ہستی کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی دعا قبول نہیں کر سکتا اور وہ ان کی دعا سے غافل ہیں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی ارشاد الطالبین میں ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

دعا از اولیاء مردگاں یا زندگاں و از انبیاء جائز نیست

فوت شدہ یا زندہ بزرگوں سے اور انبیاء کرام سے دعا

رسولِ خدا فرمود اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ یعنی دعا خواستن از خدا عبادت است، پس ایں آیت خواند وقال رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ آنچہ جُہّال می گویند یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للّٰہ، یا خواجہ شمس الدین پانی پتی شیئاً للّٰہ جائز نیست شرک وکفر است

(ارشاد الطالبین صـ۱۸)

مانگنا جائز نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "دعا عبادت کا مغز ہے"، پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْ الخ اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ جہنم میں ذلیل وخوار ہو کر داخل ہوں گے، اور یہ جو جاہل لوگ کہتے ہیں یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للّٰہ، یا خواجہ شمس الدین پانی پتی شیئاً للّٰہ، جائز نہیں ہے، شرک وکفر ہے۔

(۳) غیر اللہ کو پکارنے کی پانچ صورتیں اور ان کے احکام

غیر اللہ کو پکارنے کی یعنی "یا رسول اللہ" اور "یا غوث" کہنے کی پانچ صورتیں ہیں، اور سب کے احکام علیحدہ علیحدہ ہیں، اس لیے ذیل میں غیر اللہ کو پکارنے کی پانچوں صورتیں اور انکے احکام ذکر کیے جاتے ہیں

پہلی صورت یہ ہے کہ شعراء اپنے تخیل میں جس طرح کبھی بادِ صبا کو خطاب کرتے ہیں، اور کبھی پہاڑوں اور جنگلوں کو، کبھی حیوانات اور پرندوں کو خطاب کرتے ہیں، مگر ان میں کسی کا یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ جن کو وہ خطاب کر رہے ہیں، وہ ان کی بات کو سنتے اور اس کا جواب دیتے ہیں، بلکہ یہ ایک ذہنی پرواز ہوتی ہے، اسی طرح شعراء کے کلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یا بزرگانِ دین کو تخیلاتی طور پر جو خطاب کیا جاتا ہے وہ شرعاً درست اور جائز ہے اور اس کے جواز میں کسی کو کلام نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ جس طرح عشاق اپنے محبوبوں کو خطاب کرتے ہیں، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو محض اظہارِ محبت کے لیے خطاب کیا جائے واقعۃً ندا مقصود نہ ہو یا جس طرح مادرِ شفیق کا بچہ جب فوت ہو جاتا ہے تو وہ اس کا نام لے کر پکارتی ہے وہ جانتی ہے کہ اس کی آہ وبکاء کی آواز بچے کے کان تک نہیں پہنچ سکتی، اس کے باوجود وہ اپنی ممتا کی وجہ سے ایسا کرنے پر مجبور ہوتی ہے، اسی طرح جو عشاق آنحضرت صلعم

کی محبت اور عشق میں واقعی جل بھن گئے ہیں، اور انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارے بغیر کسی کروٹ چین نہیں آتا، اور وہ خوب جانتے ہیں کہ ان کی آہ و پکار سامعۂ مبارک تک نہیں پہنچ سکتی، تو ان کا "یا رسول اللہ" کہنا جائز ہو سکتا ہے، بشرطیکہ عقیدہ میں فساد نہ آئے، یا ان کے فعل سے کسی دوسرے کے عقیدہ میں بگاڑ پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" کے صیغہ سے درود شریف پڑھتا ہے، اور یہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ کے فرشتے اس درود کو بارگاہ رسالت میں پہنچاتے ہیں، تو یہ بھی جائز ہے، کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ :-

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیًا اُبْلِغْتُہٗ، (مشکوٰۃ شریف ص۸۷)

جو شخص مجھ پر میری قبر کے پاس درود بھیجے گا، میں اسے خود سنوں گا، اور جو شخص مجھ پر دور سے درود بھیجے گا وہ مجھے پہنچایا جائے گا۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ :-

اِنَّ لِلّٰہِ مَلَائِکَۃً سَیَّاحِیْنَ فِی الْاَرْضِ یُبَلِّغُوْنِیْ مِنْ اُمَّتِیَ السلام (مشکوٰۃ شریف ص۸۶)

بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے زمین میں پھرتے رہتے ہیں جو میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں

اگرچہ اس کے لیے بھی صحیح طریقہ یہی ہے کہ دور سے درود و سلام بھیجنے کا جو طریقہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا ہے اسی کو اختیار کیا جائے، غائبانہ درود و سلام میں خطاب کا صیغہ استعمال نہ کرے، مگر اس کے باوجود اگر اس کے عقیدہ میں کسی قسم کا فساد نہیں ہے، نہ اس کے فعل سے کسی دوسرے شخص کے عقیدہ میں بگاڑ پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، تو اس طرح درود شریف پڑھنے کو ناجائز نہیں کہا جائے گا۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر حاضر ہو کر مواجہہ شریف میں کہے "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ"، تو یہ خطاب اور ندا نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے، کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روضۂ اقدس میں باحیات ہیں اور ہر زائر کے سلام کو سماعت فرماتے ہیں، اور اس کا جواب مرحمت فرماتے ہیں۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اس نیت سے "یا رسول اللہ" کہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ہر شخص کی بات ہر جگہ سنتے ہیں، اور مصیبت کو دور فرماتے ہیں، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حاضر و ناظر ہیں، اور ہر شخص کی فریاد سنتے ہیں اور اس کی مصیبت دور فرماتے ہیں، تو اس کے ناجائز ہونے میں کوئی شک نہیں، کیوں کہ اللہ کے سوا کوئی حاضر و ناظر نہیں، نہ اللہ کے سوا کوئی مصیبت کو دور کر سکتا ہے۔

(۴) غیر اللہ کے نام کا ورد کرنا یہاں یہ مسئلہ بھی جان لینا چاہیے کہ جس طرح دعا اور تقرب کی غرض سے اللہ تعالیٰ کو پکارا جاتا ہے، اور اسکے پاک ناموں کا ورد کیا جاتا ہے، اسی طرح اللہ کے سوا کسی اور بزرگ ہستی کو پکارنا اور اس کے نام کا ورد کرنا جائز نہیں ہے کیوں کہ یہ فعل عبادت کے زمرے میں آتا ہے، اور عبادت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ غیر اللہ کی عبادت کرنا شرک ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح "فتاویٰ عزیزی" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

پرستش آنست کہ سجدہ کند، یا طواف نماید، یا نام او بطریق تقرب ورد سازد، یا ذبح جانور بنام او کند، یا خود را بندہ فلانی بگوید، و ہر آنکہ از مسلمانان جاہل با اہل قبور ایں چیزہا بعمل آرد فی الفور کافر می گردد، واز مسلمانی می برآید،

(فتاویٰ عزیزی ص۴۵ ج ۱)

عبادت یہ ہے کہ سجدہ کرے، یا طواف کرے یا اس کے نام کا تقرب کے طور پر ورد کرے، یا اس کے نام پر جانور ذبح کرے، یا اپنے آپ کو فلاں کا بندہ کہے ـــــ جاہل مسلمانوں میں سے ہر وہ شخص جو اہلِ قبور کے ساتھ یہ چیزیں کرے گا، وہ فوراً کافر ہو جائے گا، اور اسلام سے نکل جائے گا۔

اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح ارشاد الطالبین میں ارقام فرماتے ہیں:۔

مگر آں کہ ذکر محمد رسول اللہ با ذکر خدائے تعالیٰ در اذاں و اقامت و تشہد و مانند آں عبادت است، و ذکر محمد رسول اللہ ہم بر وجہیکہ در شرع وارد نشدہ است چنانچہ کسے بطور وظیفہ یا محمد یا محمد یا محمد گفتہ باشد روا نباشد (ص۱۹)

اللہ کے ذکر کے ساتھ محمد رسول اللہ کا ذکر اذان و اقامت اور تشہد وغیرہ میں عبادت ہے، مگر محمد رسول اللہ کا ذکر ایسے طریقہ پر کرنا جو شریعت میں وارد نہیں ہوا ہے مثلاً کوئی شخص وظیفہ کے طور پر یا محمد یا محمد یا محمد کہے گا تو جائز نہ ہوگا۔

(۵) قبروں کا طواف اور سجدہ وغیرہ کرنا جاہل لوگ قبروں کا طواف کرتے ہیں، ان کو سجدہ کرتے ہیں آستانوں کو چومتے ہیں، یہ تمام افعال شرکیہ ہیں، اس لیے کہ طواف، سجدہ، رکوع اور ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا یہ سب عبادت کی شکلیں ہیں، اور شریعت نے قبروں کی ایسی تعظیم کرنے کی اجازت نہیں دی ہے جو پوجا کی حد تک پہنچ جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ پہلی امتیں اسی غلو کی بنا پر گمراہ ہوئی ہیں اس لیے آپؐ نے اپنی امت کو ان افعال سے بچنے کی تاکید اور وصیت فرمائی ہے، ام المومنین عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ

ان رسول اللہ علیہ وسلم قال فی مرضہ الذی لم یقم منہ، لعن اللہ الیہود والنصاریٰ، اتخذوا قبور انبیائھم مساجد (مشکوٰۃ ص۶۹)

بلاشبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرض میں جس سے آپؐ کو افاقہ نہیں ہوا (یعنی مرض وفات میں) فرمایا کہ اللہ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ارشاد ہے کہ:

الا وان من کان قبلکم کانوا یتخذون قبور انبیائھم وصالحیھم مساجد الا فلا تتخذوا القبور مساجد انی انھاکم عن ذالک (حوالہ بالا)

سنو! تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا کرتے تھے، خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا، میں تمہیں اس سے روکتا ہوں

ان احادیث کی بنا پر علمائے اہل سنت والجماعت نے قبروں پر سجدہ کرنے کو شرک جلی فرمایا ہے، حضرت ملا علی قاری لعن اللہ الیہود والنصاریٰ کی شرح میں ارقام فرماتے ہیں کہ

سبب لعنھم ھو انھم کانوا یسجدون لقبور انبیائھم تعظیما لھم، وذلک ھو الشرک الجلی۔

یہود و نصاریٰ کے ملعون ہونے کا سبب یا تو یہ تھا کہ وہ اپنے انبیاء کی تعظیم کی خاطر ان کی قبروں کو سجدہ کرتے تھے، اور یہ شرک جلی ہے۔

اور حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی "مالابد منہ" میں لکھتے ہیں کہ:

سجدہ کردن بسوئے قبور انبیاء و اولیاء وطواف گرد قبور کردن، و دعاء از آنہا خواستن و نذر

انبیاء اور اولیاء کی قبروں کی طرف چہرہ کر کے سجدہ کرنا قبروں کے گرد طواف کرنا، ان سے دعا مانگنا اور

برائے آنہا قبول کردن حرام است، بلکہ چیزہا از اں بکفر می رساند، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم بر آنہا لعنت گفتہ، واز آں منع فرمودہ، وگفتہ کہ قبر مرا بت نہ کنند (مالا بدمنہ ص۷۶)

ان کے لیے منتیں ماننا حرام ہے، بلکہ ان میں سے بہت سی چیزیں کفر تک پہنچا دیتی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں پر لعنت فرمائی ہے، اور ان سے روکا ہے، اور فرمایا ہے کہ میری قبر کو بت نہ بنالینا

(۶) قبروں پر چڑھاوے چڑھانا

بہت سے لوگ نہ صرف اولیاء اللہ سے مرادیں مانگتے ہیں بلکہ ان کی منتیں بھی مانتے ہیں کہ اگر ان کا فلاں کام ہو گیا تو وہ فلاں بزرگ کی قبر پر غلاف یا شیرنی چڑھائیں گے، یہ بھی شرک وکفر ہے، اس لیے کہ منت ماننا اور نذر ونیاز پیش کرنا عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت کرنا شرک ہے، فقہ حنفی کی مشہور کتاب "درمختار" میں ہے

واعلموا انّ النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام، وما یؤخذ من الدراھم والشمع والزیت ونحوھا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیھم فھو باطل وحرام بالاجماع

جاننا چاہیے کہ اکثر عوام کی طرف سے مردوں کے نام کی جو نذر ومنت مانی جاتی ہے، اور اولیائے کرام کی قبروں پر روپئے پیسے، موم بتیاں اور تیل وغیرہ بزرگوں کا قرب حاصل کرنے کی غرض سے جو لایا جاتا ہے وہ بالاتفاق باطل اور حرام ہے

اور علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں کہ :-

(قولہ باطل وحرام) لوجوہ: منھا انہ نذر لمخلوق، والنذر لمخلوق لا یجوز لانہ عبادۃ والعبادۃ لا تکون لمخلوق ومنھا ان المنذور لہ میت، والمیت لا یملک، ومنھا انہ ان ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ تعالی واعتقاد ذالک کفر،

باطل اور حرام ہونے کی کئی وجوہ ہیں: ایک یہ ہے کہ یہ نذر مخلوق کے لیے ہے، اور مخلوق کے لیے نذر ماننا جائز نہیں، اس لیے کہ نذر عبادت ہے اور مخلوق کی عبادت نہیں ہوتی ـــــ دوسری وجہ یہ ہے کہ جس کے لیے منت مانی گئی ہے وہ مردہ ہے اور مردہ کو مالک بنانے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر نذر ماننے والے کا خیال یہ ہے کہ اللہ کے سوا مردہ بزرگ بھی کائنات میں

(فتاویٰ شامی ص۱۲۸ ج۲ قبیل باب الاعتکاف)

تصرف کرنے کی قدرت رکھتا ہے تو اس کا یہ عقیدہ کفر ہے۔

الحاصل اولیائے کرام کے مزاروں پر جو منتیں مانی جاتی ہیں، اور جو چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں، اگر ان سے محض ان بزرگوں کا تقرب مقصود ہو، اور یہ خیال ہو کہ اس نذر نیاز کو قبول کر کے وہ ہمارے کام کر دیں گے، اور ہماری بگڑی بنا دیں گے، اور اگر ہم نے ان کے نام کی منت نہ دی تو ہم سے ناراض ہو جائیں گے، اور اس سے ہمارے کاروبار، جان و مال اور بیوی بچوں کو نقصان پہنچے گا تو یہ بالاتفاق حرام اور باطل ہے، اور اس کے شرک ہونے میں کوئی شبہ نہیں،

اگر کسی شخص نے ایسی نذر مان لی ہو تو اس کا پورا کرنا جائز نہیں، بلکہ اس سے توبہ کرنا ضروری ہے، حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح فرماتے ہیں:-

واگر کسے نذر کرد و وفائے نذر نکند کہ احتراز از معصیت بقدر امکان واجب است۔

(ارشاد الطالبین ص۱۸)

اور اگر کسی نے ایسی نذر مان لی ہو تو اسے پورا نہ کرے اس لیے کہ جہاں تک ہو سکے گناہ سے پرہیز کرنا واجب ہے۔

اور اگر کسی شخص نے ایسی نذر مانی اور اسے پورا بھی کر دیا، تو وہ چیز غیر اللہ کے لیے نامزد ہونے کی وجہ سے حرام ہو گی، اس کا استعمال کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہو گا، البتہ جس شخص نے چڑھاوا چڑھایا ہے جب تک وہ چیز اپنی اصلی حالت میں موجود ہے وہ اپنی منت سے توبہ کر کے وہ چیز واپس لے سکتا ہے، یہی حکم اس جانور کا ہے جو غیر اللہ کے لیے نامزد کیا گیا ہو کہ جب تک وہ جانور زندہ ہے منت ماننے والا اپنی منت سے توبہ کر کے اس کو واپس لے سکتا ہے، لیکن اگر وہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کر دیا گیا، چاہے ذبح کے وقت اس پر بسم اللہ پڑھی گئی ہو اس کا کھانا کسی کے لیے حلال نہیں ہو گا،

یہاں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ کسی کام کے ہونے نہ ہونے میں نذر اور منت کا قطعاً کوئی دخل نہیں ہوتا، نہ اس سے قضا و قدر کے فیصلے تبدیل ہوتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ارشاد ہے کہ:

لاتنذروا، فان النذر لا یغنی من القدر شیئًا، وانما یستخرج به من مال البخیل، متفق علیه (مشکوٰۃ ص ۲۹۵)

منتیں نہ مانا کرو، کیوں کہ منت تقدیر کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں آتی، اس کے ذریعہ تو بس بخیل کا مال نکالا جاتا ہے،

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"منت ماننے کی ممانعت اس اعتقاد کی بنا پر ہے کہ وہ تقدیر کی کسی بات کو ٹال دیتی ہے، کیونکہ لوگوں کی عادت تھی کہ وہ اپنی حاجتوں کے پورا ہونے، اور مصیبتوں کے دور ہونے کے لیے منتیں مانا کرتے تھے، اور یہ بخیل لوگوں کا وطیرہ ہے، اس لیے ان کو رد کا گیا، لیکن سخی لوگ نذر مانے بغیر اپنے اختیار سے صدقہ خیرات کرتے ہیں، پس اس غرض سے منت ماننے کی جو ممانعت فرمائی گئی ہے اس میں اس بات کی ترغیب دینا ہے کہ منت تو مانی جائے مگر اخلاص کے ساتھ (حاشیہ مشکوٰۃ شریف)

حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ صدقہ وخیرات سے بلائیں دور ہوتی ہیں، لیکن نذر ماننے میں ایک قسم کی سوداگری ہے کہ اگر یہ کام ہوا تو صدقہ خیرات کرے گا ورنہ نہیں۔

الغرض جو منت اللہ کے نام پر مانی جائے اس سے بھی قضا وقدر کے فیصلے تبدیل نہیں ہوتے، اس سے ہر وہ شخص سمجھ سکتا ہے کہ بزرگوں کے نام پر جو منتیں مانی جاتی ہیں، ان سے خدا کی تقدیر کیسے بدل سکتی ہے؟ لیکن ہوتا یہ ہے کہ منت ماننے کے بعد اگر کام نہ ہوا، تب تو لوگ تقدیر کا رونا روتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ: بس تقدیر میں ایسا ہی لکھا تھا، اور اگر کام ہو گیا تو اس کو تقدیر کا فیصلہ نہیں سمجھتے بلکہ اس بزرگ کا تصرف سمجھتے ہیں کہ ہم نے فلاں بزرگ کی منت مانی تھی اس سے ہمارا کام ہو گیا، یہ ہے وہ جڑ جس سے فسادِ عقیدہ کی شاخیں پھوٹتی ہیں، اور جس کے ذریعہ شیطان لوگوں کو خدا تعالیٰ سے ہٹا کر اس کے بندے کا پجاری بناتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا ارشاد میں اسی کی بیخ کنی کی ہے کہ جو منت خدا کے نام کی مانی جائے وہ بھی اس کی قضا وقدر کے فیصلوں کو نہیں بدلتی چہ جائیکہ وہ منت جو اس کے عاجز بندوں کے نام پر مانی جائے۔

حکم لگانے میں احتیاط

ایمان وتوحید اور کفر وشرک کے سلسلہ میں مذکورہ بالا تفصیلات کے جاننے کے بعد یہ جاننا چاہیے کہ کفر وشرک کا معاملہ نہایت

سنگین ہے جس کا ایمان ثابت ہو چکا ہو اس پر کفر کا حکم لگانے میں بہت احتیاط برتنی ضروری ہے، فقہائے کرام رحمہم اللہ نے اس سلسلہ میں جو ضابطہ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو کفر کا حکم نہیں لگانا چاہیے، جب کوئی صورت باقی نہ رہے اس وقت کفر کا حکم لگایا جانا چاہیے، اس لیے

(۱) جو شخص افعال شرکیہ میں سے کسی فعل کا ارتکاب کرے گا، جیسے بت کو سجدہ کرنا تو وہ شخص فوراً مشرک و کافر ہو جائے گا، فتاویٰ عزیزی میں ہے:-

پرستش آنست کہ سجدہ کند، یا طواف نماید، یا نام او را بطریق تقرب وردسازد، یا ذبح جانور بنام او کند، یا خود را بندہ فلانی بگوید، و ہر کہ از مسلمانان جاہل یا اہل قبور ایں چیزہا بالفعل آرد فی الفور کافر می گردد، و از مسلمانی می برآید۔

(فتاویٰ عزیزی ص۴۵ جلد اول)

عبادت یہ ہے کہ سجدہ کرے، یا طواف کرے، یا اس کے نام کا تقرب کے طور پر ورد کرے، یا اس کے نام پر جانور ذبح کرے، یا اپنے آپ کو فلاں کا بندہ کہے، جاہل مسلمانوں میں سے ہر وہ شخص جو اہل قبور کے ساتھ یہ چیزیں کرے گا وہ فوراً کافر ہو جائے گا، اور اسلام سے نکل جائے گا۔

(۲) اور جو لوگ کسی تاویل سے کسی شرکیہ فعل کا ارتکاب کرتے ہیں، جیسے غیر اللہ کو تعظیمی سجدہ کرنا یا کسی شرکیہ بات کا عقیدہ رکھتے ہیں، جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عطائی علم غیب کا عقیدہ رکھنا، ان پر احتیاطاً کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

(۳) اور جو شخص بغیر تاویل کے دلیل قطعی کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے، جیسے آنحضرت صلعم کے لیے عطائی اور محیط خاص کی تاویل کے بغیر علم غیب کلی کا عقیدہ رکھنا، یا تاویل مہمل سے دین کے کسی بدیہی اجماعی قطعی عقیدہ کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے، جیسے خاتم النبیین کی تاویل نبیوں کی مہر کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کی نبوت کا قائل ہو تو وہ بلاشبہ کافر اور مرتد ہے، علامہ ابن عابدین شامی اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے رد تنبیہ الولاۃ والحکام میں ارقام فرماتے ہیں:

وحاصلہ ان المحکوم بکفرہ من ادّاہ ھواہ وبدعتہ الی مخالفۃ دلیل قطعی لا یسوغ فیہ تاویل اصلاً، کردّ ایۃ قرآنیۃ، او تکذیب

حاصل کلام یہ ہے کہ صرف اسی شخص پر کفر کا حکم لگایا جائے گا جس کی گمراہی ایسی دلیل قطعی کے خلاف ہو جس میں تاویل کی بالکل گنجائش نہیں جیسے قرآن پاک کی کسی آیت کا

نبیٍّ او انکار احد ارکان الاسلام و نحو ذلک، بخلاف غیرھم کمن اعتقد ان علیًّا رض ھو الاحق بالخلافۃ وھم والسبّون الصحابۃ، لانھم منعوہ حقّہ ونحوھم فلا یحکمون بکفرھم احتیاطًا، وان کان معتقدھم فی نفسہ کفرًا ای یکفّر بہ من اعتقدہ بلا شبھۃ تاویل۔

(رسائل ابن عابدین ص ۳۶۲، ۳۶۳ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

انکار کرنا، یا کسی نبی کی تکذیب کرنا، یا ارکان اسلام میں سے کسی رکن کا انکار کرنا وغیرہ، برخلاف ان لوگوں کے جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت علی رض خلافت کے زیادہ حقدار تھے، اور وہ صحابۂ کرام کو اس لیے برا بھلا کہتے ہیں کہ صحابہ کرام نے (ان کے خیال میں) حضرت علی رض کو ان کا حق نہیں دیا اور انہیں جیسے دوسرے لوگوں پر احتیاطاً کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا، اگرچہ ان کا اعتقاد فی نفسہٖ کفر ہو، یعنی دلیل قطعی کے خلاف عقیدہ رکھنے کی وجہ سے صرف اسی شخص کو کافر قرار دیا جائے گا جو بلا تاویل دلیل قطعی کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے۔

اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ فتاوی عزیزی میں ارقام فرماتے ہیں کہ

اگر بر خلاف قرنِ اول حمل می کند، پس در بدعت او ملاحظہ باید نمود، اگر مخالف ادلۂ قطعیہ است یعنی نصوص متواترہ و اجماع قطعی است او را کافر باید شمرد، و اگر مخالف ادلۂ ظنیہ قریبۃ الیقین است مانند اخبار مشہورہ و اجماعِ عرفی گمراہ تواں فہمید دون الکفر،

(فتاوی عزیزی جلد اول ص ۱۲۶)

اگر کوئی شخص قرنِ اول (صحابہ و تابعین) کے بیان کردہ مفہوم کے علاوہ پر نصوص کو حمل کرتا ہے تو اس کی تو ایجادات کو دیکھا جائے گا، اگر دلائل قطعیہ یعنی نصوص متواترہ اور اجماع قطعی کے خلاف ہے، تو اس کو کافر شمار کرنا چاہیے اور اگر دلائلِ ظنیہ جو یقین کے قریب ہیں مثلاً خبر مشہور اور اجماع عرفی کے خلاف ہے تو اس کو گمراہ سمجھنا چاہیے، نہ کہ کافر۔

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ، وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ وصلی اللہ علی النبی الامی الھاشمی وعلی آلہ وصحبہ اجمعین والحمد للہ رب العلمین

کتبہ: سُہَیْلُ اَحْمَد قاسمی محلّہ مَحل دیوبند

سید شمس الاسلام

بابت سنہ ۱۴۱۵ھ

پانچواں محاضرہ علمیہ

بر موضوع

16/06/04

ردِّ رضاخانیت

پیش کردہ

حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالنپوری

استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱	سیرت طیبہ سے استفادہ کے دو طریقے	۳
۲	میلاد کی تاریخ	۴
۳	میلاد مروجہ	۵
۴	میلاد مروجہ کا حکم	۶
۵	ایصال ثواب کے لیے ربیع الاول کی تعیین بدعت ہے۔	۷
۶	قیام میلادی کا حکم	۷
۷	مروجہ عرس بھی بدعت ہے	۸
۸	پختہ مزارات بنانا اور ان پر گنبد تعمیر کرنا	۹
۹	قبروں پر چراغاں کرنا	۱۰
۱۰	مزاروں پر پھول ڈالنا اور چادریں چڑھانا	۱۱
۱۱	گیارہویں کا کھانا	۱۴
۱۲	گیارہویں کا جشن	۱۶
۱۳	کھانے پر فاتحہ	۱۶
۱۴	تیجا، ساتواں، اور چالیسواں کرنا	۱۸
۱۵	نماز جنازہ کے بعد دعا	۱۸
۱۶	رضاخانی مغالطہ	۱۹
۱۷	جنازہ کے ہمراہ ذکر کرنا	۲۱
۱۸	قبر پر اذان دینا	۲۲
۱۹	اذان کے وقت انگوٹھے چومنا	۲۳
۲۰	نمازوں کے بعد مصافحہ کرنا	۲۴
۲۱	نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا	۲۵
۲۲	نوافل کے بعد اجتماعی دعا کرنا	۲۶

الحمد للّٰہ الذی یحکم بالحق کما یرضیٰ ویجزی کل نفس بما تسعیٰ، والیہ المآب والرجعیٰ، والصلوٰۃ والسلام علیٰ بدر الدجیٰ و شمس الضحیٰ وعلیٰ آلہ واصحابہ الذین کانوا مصابیح الہدیٰ

اما بعد! فان خیر الحدیث کتاب اللّٰہ، وخیر الہدی ہدی محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم، وشر الامور محدثاتہا، وکل بدعۃ ضلالۃ کما قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔

دوسرے محاضرے میں بدعت کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں: ۱۔ بدعت اعتقادی اور ۲۔ بدعت عملی پھر تیسرے اور چوتھے محاضرے میں رضاخانیوں کی اعتقادی بدعات اور اعمال شرکیہ کو ذکر کیا گیا ہے، اب اس محاضرے میں رضاخانیوں کی ان عملی بدعات کا تذکرہ کیا جارہا ہے جن کو انہوں نے سنت قرار دیا ہے، بلکہ اہل سنت کی خاص علامت اور شعار بنا دیا ہے۔

سیرت طیبہ سے استفادہ کے دو طریقے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے استفادہ کے دو طریقے ہیں، ایک یہ کہ آپ کی ایک ایک ادا اور ایک ایک سنت پر اس طرح عمل کیا جائے کہ ہر امتی کی صورت و سیرت، چال ڈھال، رفتار و گفتار اور اخلاق و کردار آپ کی سیرت طیبہ کا مرقع بن جائیں، اور دیکھنے والے کو نظر آئے کہ یہ سرکار دو عالم، تاجدار مدینہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا پیرو کار اور سنت نبوی کا واقعی عاشق ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جہاں بھی موقع ملے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر خیر سے ہر مجلس و محفل کو معمور و معطر کیا جائے، آپ کے فضائل و کمالات اور آپ کی سنتوں اور اعمال و اخلاق کا تذکرہ کیا جائے۔

سلف صالحین، صحابہ و تابعین اور ائمۂ ہدیٰ ان دونوں طریقوں پر عامل تھے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت کو اپنے عمل سے زندہ کرتے تھے، اور ہر محفل و مجلس میں آپؐ کی سیرتِ طیبہ کا تذکرہ کرتے تھے، یہی عاشقانِ رسول تھے، جن کے دم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ صرف اوراق کتب کی زینت نہ رہی بلکہ جیتی جاگتی زندگی بن گئی، اور اسکی بوئے عنبریں نے شام عالم کو معطر کر دیا، صحابہ کرام رضا اور تابعین عظام رح بہت سے ایسے ممالک میں پہنچے جہاں کی زبان نہیں جانتے تھے مگر ان کی شکل و صورت، اخلاق و کردار اور اعمال و معاملات کو دیکھ کر علاقوں کے علاقے اسلام کے حلقہ بگوش اور جمال محمدی کے غلام بے دام بن گئے۔

مگر جوں جوں زمانہ نبوت سے بعد ہوتا گیا، جذبۂ اطاعت کم ہوتا گیا یہاں تک کہ وہ بس ایک وقتی جذبہ ہو کر رہ گیا، سیزن پر عبادت و اطاعت کر لی، پھر چھٹی منالی ——— اسی طرح سیرت طیبہ کا معاملہ بھی ہو گیا کہ زندگیوں میں اس کا نمود بھی کم ہو گیا، اور ہر مجلس و محفل میں اس کا تذکرہ بھی ختم ہو گیا، بس ربیع الاول کا مہینہ آیا تو کچھ الٹا سیدھا مولود پڑھ لیا، پھر بھولے سے بھی تذکرہ نہیں کیا۔

(۱) میلاد کی تاریخ اب لوگ میلاد کے نام پر جو محفلیں سجاتے ہیں اسلاف کے زمانہ میں ان کا کہیں نام و نشان نہیں تھا، محفلِ میلاد کا آغاز سب سے پہلے ۶۰۴ھ میں سلطان ابو سعید مظفر الدین صاحب اربل نے کیا۔ اور ابو الخطاب عمر بن دحیہ نے اس کی تائید میں مواد فراہم کیا اور اس کے صلہ میں سلطان ابو سعید نے ابو الخطاب کو خطیر رقم دی، اس بادشاہ کے بارے میں علامہ ذہبی رح فرماتے ہیں کہ:

کان ینفق کل سنۃ علی مولد النبی صلعم نحو ثلاث مائۃ الف،	وہ ہر سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد پر تقریباً تین لاکھ کی رقم خرچ کرتا تھا۔

(دول الاسلام ص ۱۰۳ ج ۲)

اور ابو الخطاب عمر بن دحیہ کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رح فرماتے ہیں کہ

وکان ظاھری المذھب کثیر الوقیعۃ فی الائمۃ وفی السلف من العلماء	وہ ظاہری یعنی غیر مقلد تھا، ائمہ دین اور سلف صالحین کی شان میں بہت زیادہ گستاخی کرنے

خبیث اللسان، اَحْمَقَ، شَدِیْدَ الْکِبْرِ قلیلَ النظر فی امور الدین، متہاوناً، (لسان المیزان ص۲۹۶ ج۴)

والا، گندی زبان والا، بے وقوف، بڑا متکبر دینی باتوں کی بہت کم سوجھ بوجھ رکھنے والا، اور ان میں سستی کرنے والا تھا۔

الغرض یہ ہیں وہ دو شخص جنہوں نے میلاد کی رسم ایجاد کی تھی اور اس میں تین باتوں کا خاص طور پر لحاظ رکھا تھا (۱) ماہ ربیع الاوّل کی تاریخ کا تعین (۲) علماء اور صلحاء کا اجتماع، (۳) اور اختتام محفل پر اطعامِ طعام کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پُرفتوح کو ایصال ثواب ——— ان خود ساختہ قیودات کی بنا پر اس وقت کے علماء میں سے علامہ فاکہانی اور ان کے رفقاء نے اس میں شرکت کرنے سے عذر کیا، اور اسے بدعت ضلالہ قرار دیا، اور دوسرے علماء نے سلطان کی ہمنوائی کی، اور ان قیودات کو مباح سمجھ کر اس کے جواز و استحسان کا فتویٰ دیا

مگر آگے چل کر یہ محفل صرف علماء اور صلحاء کے اجتماع تک محدود نہ رہی، بلکہ عوام کے دائرے میں آکر ان کی نئی نئی اختراعات کا معجون مرکب بن گئی، اور اب اس زمانہ میں عید میلاد النبیؐ کی جو صورت رائج ہے وہی میلاد مُروّجہ کہلاتا ہے۔

میلادِ مُروّجہ کا مطلب ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر جان کر آپؐ کی ولادت باسعادت کے من گھڑت واقعات اور جھوٹے قصے بیان کرنا، اور جب آپؐ کی ولادتِ مبارکہ کا تذکرہ آئے تو تمام حاضرینِ مجلس کا کھڑے ہو کر ولادت کے تذکرہ کو سننا، ولادت مبارکہ کا سوانگ بنانا، بے ریش اور خوش الحان لڑکوں کا غزل خوانی کرنا، عورتوں کا بن سنور کر شریک محفل ہونا، ضرورت سے زیادہ محفل کو سجانا، اختتامِ محفل پر شیرنی تقسیم کرنا، فخر موجودات سید الکونین تاجدار مدینہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف میں حد سے زیادہ غلو کرنا، محفل میلاد میں شریک ہونے کو فرائض واجبات سے زیادہ اہم اور باعثِ برکت سمجھنا، اور شریک نہ ہونے والوں کو بُرا بھلا کہنا، نماز جیسی اہم عبادت کے فوت ہونے کی پروا نہ کرنا، اور معاصی سے اجتناب نہ کرنا، اور یہ سمجھنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محفل میلاد میں بنفس نفیس تشریف لاتے ہیں ——— اور کچھ عرصے سے تو عید میلاد النبیؐ کے موقع پر آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنائی جاتی ہے اور جگہ جگہ بڑے بڑے چوکوں میں سوانگ بنا کر رکھے جاتے ہیں، لوگ اس سے تبرک حاصل کرتے ہیں، اور بیت اللہ کی خود ساختہ شبیہ کا طواف بھی کرتے ہیں۔

میلاد مروجہ کا حکم میلاد مروجہ تمام علمائے اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک حرام اور بدعت ہے، علامہ ابن الحاج مالکی رح اپنی مایہ ناز کتاب "مدخل" میں ارقام فرماتے ہیں:

ومن جملۃ ما احدثوہ من البدع مع اعتقادھم ان ذلک من اکبر العبادات واظہار الشعائر ما یفعلونہ فی شہر ربیع الاول من المولد وقد احتوی علی بدع ومحرمات جملۃ (مدخل ص ۲۶۷)

من جملہ ان بدعتوں کے جن کو لوگوں نے ایجاد کیا ہے یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کہ وہ سب عبادتوں سے بڑی عبادت اور شعائر اسلام کا اظہار ہے۔ وہ جشن میلاد ہے جس کو لوگ ربیع الاول کے مہینہ میں مناتے ہیں، حالانکہ وہ جشن میلاد بہت سی بدعتوں اور حرام باتوں پر مشتمل ہے۔

اور قاضی شہاب الدین دولت آبادی اپنے فتاوی "تحفۃ القضاۃ" میں لکھتے ہیں:

سئل القاضی عن مجلس المولد الشریف، قال: لا ینعقد، لانہ محدث، وکل محدث ضلالۃ، وکل ضلالۃ فی النار، وما یفعلون من الجہال علی رأس کل حول فی شہر ربیع الاول لیس بشیئ، ویقومون عند ذکر مولدہ صلی اللہ علیہ وسلم ویزعمون ان روحہ صلعم یجیئ وحاضر فزعمہم باطل، بل ہذا الاعتقاد شرک وقد منع الائمۃ الاربعۃ عن مثل ہذا (بحوالہ الجنۃ لاہل السنۃ ص ۲۳۰)

قاضی سے محفل میلاد کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ محفل میلاد کا انعقاد صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ یہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے، اور ہر گمراہی جہنم میں ہے اور مسلمان ہر سال ربیع الاول کے مہینہ میں جو (محفل میلاد منعقد) کرتے ہیں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور آپ کی ولادت مبارکہ کے تذکرہ کے وقت لوگ کھڑے ہوتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کی مبارک روح آتی ہے اور حاضر ہے، ان کا یہ سمجھنا باطل ہے بلکہ ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے اور چاروں اماموں نے ایسا عقیدہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

ایصال ثواب کے لیے ربیع الاول کی تعیین بدعت ہے

یہاں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ کھانا پکا کر فقراء و مساکین کو کھلانا، اور اس کا ثواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچانا جائز ہے، مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پرفتوح کو ثواب پہنچانے کے لیے ربیع الاول کی تعیین کرنا بدعت ہے، فتاویٰ عزیزی میں ہے:

سوال: پختن طعام در ایام ربیع الاول برائے خدا ورسانیدن ثواب آں بروح پرفتوح حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم، یا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ در ایام محرم و دیگر آل اطہار سید مختار صحیح است یا نہ؟

سوال: ربیع الاول کے مہینہ میں خدا کے واسطے کھانا پکانا اور اس کا ثواب حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پُرفتوح کو پہنچانا، یا محرم کے مہینہ میں حضرت حسین رضؓ اور سید مختار کی دیگر آل اطہارؓ (کی روحوں کو ثواب پہنچانا) درست ہے یا نہیں؟

جواب: انسان در کار خود مختار است، میرسد کہ ثواب خود برائے بزرگاں با ایسان گرداند، لیکن برائے ایں کار وقت و روز تعیین نمودن و ماہے مقرر کردن بدعت است (فتاویٰ عزیزی ص۹۷)

جواب: انسان اپنے کام میں مختار ہے اس کو حق ہے کہ اپنا ثواب یا ایسان بزرگوں کو بخش دے لیکن اس کام کے لیے وقت اور دن کی تعیین کرنا اور کوئی مہینہ مقرر کرنا بدعت ہے۔

قیام میلادی کا حکم

اسی طرح ولادتِ مبارکہ کے تذکرے کے وقت تمام حاضرین مجلس کا کھڑا ہونا بھی بدعت ہے، خادم رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

لم یکن شخص احبّ الیہم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانوا اذا رأوہ لم یقوموا، لما یعلمون من کراھیتہ لذالک، رواہ الترمذی (مشکوٰۃ شریف ص۴۰۳ باب القیام)

صحابہ کرام کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہ تھا، اس کے باوجود صحابہ کرام آپؐ کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے، اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ آپؐ کو کھڑے ہونے سے ناگواری ہوتی ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر بھی کھڑے نہیں ہوتے تھے تو ہمارے لیے محض اس خیال باطل کی بنیاد پر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محفل میلاد میں تشریف لاتے ہیں کھڑا ہونا کیوں کر روا ہو سکتا ہے؟ سیرتِ شامی میں ہے کہ

جرت عادۃ کثیر من المحبین اذا سمعوا ذکر وضعہ صلعم ان یقوموا تعظیما لہ صلی اللہ علیہ وسلم، وھذا القیام بدعۃ لا اصل لھا (بحوالہ الجواب الاہل السنۃ ص۲۶۳)

بہت سے محبین کی عادت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ولادت سن کر آپؐ کی تعظیم کے واسطے کھڑے ہو جاتے ہیں، حالانکہ یہ قیام بدعت ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے

(۳) مروجہ عرس بھی بدعت ہے میلاد مروجہ کی طرح بزرگانِ دین کے مزاروں پر ہر سال ایک معین تاریخ میں یا وفات کے دن جو عرس ہوتا ہے وہ بھی بدعت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

لا تجعلوا قبری عیدا (مشکوۃ ص۸۶) میری قبر کو جشن نہ بناؤ۔

علامہ محمد طاہر پٹنی رح اس حدیث کا مطلب بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ:

لا تجتمعوا لزیارتہ اجتماعکم للعید فانہ یوم لھو وسرور وحال الزیارۃ بخلافہ، وکان دأب اھل الکتاب فاورثھم القسوۃ۔

(مجمع بحار الانوار ص۱۳۵ ج ۳)

روضۂ اطہر کی زیارت کے لیے عید کی طرح جمع مت ہوؤ کیوں کہ عید تو کھیل اور خوشی کا دن ہے، اور زیارت قبر کا حال اس کے برخلاف ہے، اور عید کی طرح قبروں پر جمع ہونا اہل کتاب کا شیوہ تھا، جس کی وجہ سے ان کے دل سخت ہو گئے (اور رقت قلب جو زیارت قبور کا مقصد تھا وہ فوت ہو گیا)

اور مجالس الابرار میں ہے:

ونھی عن اتخاذھا عیدا، وھم یخالفونہ ویتخذونھا عیدا ویجتمعون لھا کما یجتمعون للعید او اکثر۔

(مجالس الابرار ص۱۱۸ مجلس ۱۷)

شریعت نے قبروں کو عید بنانے سے منع فرمایا ہے، اور حال یہ ہے کہ لوگ شریعت کی مخالفت کرتے ہیں اور قبروں کو عید بناتے ہیں، اور مزاروں پر لوگ اس طرح جمع ہوتے ہیں جس طرح عید کے لیے اکٹھا ہوتے ہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح تفسیر مظہری میں ارقام فرماتے ہیں کہ:

لا یجوز ما یفعلہ الجھال بقبور

جاہل لوگ اولیاء اور شہداء کی قبروں کے ساتھ

الاولیاء والشهداء من السجود و الطواف حولها واتخاذ السُرُج و المساجد علیها ومن الاجتماع بعد الحول کالاعیاد ویُسَمّونه عرسًا (تفسیر مظہری ص۶۵ ج۲)

جو معاملات کرتے ہیں، وہ سب ناجائز ہیں، یعنی قبروں کو سجدہ کرنا اس کے گرد گھومنا، ان پر چراغ رکھنا اور ان کو سجدہ گاہ بنانا، اور میلوں کی طرح ایک سال کے بعد جمع ہونا جس کو لوگ عرس کہتے ہیں۔

اور فتاویٰ عزیزی میں ہے:

سوال: برائے زیارت قبور روز معین نمودن یا روزِ عرس ایشاں کہ معین است رفتن درست است یا نہ؟

سوال: قبروں کی زیارت کے لیے دن معین کرنا، یا ان کے عرس کے دن جو معین ہے زیارت کے لیے جانا درست ہے یا نہیں۔

جواب: برائے زیارت قبور روز معین نمودن بدعت است، واصل زیارت جائز، وتعین وقت درسلف نبود، وایں بدعت ازاں قبیل است کہ اصلش جائز است، وخصوصیت وقت بدعت مانند مصافحہ بعد العصر کہ در ملک توران وغیرہ رائج است (فتاویٰ عزیزی ص۹۳ ج۱)

جواب: قبروں کی زیارت کے لیے دن معین کرنا بدعت ہے، اصل زیارت جائز ہے، اور وقت کا تعین سلف صالحین میں نہیں تھا، اور یہ بدعت ایسی ہے کہ اس کی اصل جائز ہے مگر وقت کی تخصیص بدعت ہے، اس کی مثال عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا ہے جس کا ملکِ توران وغیرہ میں رواج ہے۔

(۳) پختہ مزارات بنانا اور ان پر گنبد تعمیر کرنا

مزاروں کو پختہ بنانا اور ان پر گنبد وغیرہ تعمیر کرنا ناجائز اور بدعت ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

نهیٰ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلّم ان یُجَصَّصَ القبر وان یبنیٰ علیه وان یقعد علیه، رواه مسلم (مشکوٰۃ ص۳۶۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو پختہ کرنے اور اس پر تعمیر کرنے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

اور ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ

نهیٰ رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلّم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو پختہ

اَن تُجَصَّصَ القبور وان یُکتَبَ علیہا وان یبنیٰ علیہا وان تُوطَأ (ترمذی شریف ص۱۲۵ ج۱)

کرنے، ان پر لکھنے، ان پر تعمیر کرنے اور ان کو روندنے سے منع فرمایا ہے۔

شیخ ابراہیم حلبی حنفی "شرح منیۃ المصلی" میں ارقام فرماتے ہیں:

عن ابی حنیفہ رح انہ یُکرہُ ان یبنیٰ علیہ بناءٌ من بیتٍ او قُبَّۃٍ او نحو ذالک لما مرّ من الحدیث انفًا و کذا یُکرہ وطئہٗ، والجلوس علیہ کذلک وکرہ ابو یوسف الکتابۃ ایضًا (کبیری ص۵۵۵)

امام ابوحنیفہ رح سے مروی ہے کہ قبر پر مکان یا گنبد یا اس کے مانند کوئی عمارت بنانا مکروہ ہے، اس حدیث کی وجہ سے جو ابھی گذری، اسی طرح قبر کو روندنا بھی مکروہ ہے، اور اس پر بیٹھنے کا بھی یہی حکم ہے، اور امام ابو یوسف رح نے کتابت (یعنی کتبہ لگانے) کو بھی مکروہ قرار دیا ہے۔

اور حضرت ملا علی قاری حنفی حدیث من ابتدع بدعۃً ضلالۃً کی شرح میں ارقام فرماتے ہیں کہ:

وھی ما انکرہ ائمۃ المسلمین کالبناء علی القبور وتجصیصہا (مرقات ص۲۴۶ ج۱)

بدعت ضلالہ وہ ہے جس پر ائمہ مسلمین نے نکیر فرمائی ہے، جیسے قبروں پر عمارت بنانا اور ان کو پختہ کرنا۔

(۴) قبروں پر چراغاں کرنا

قبروں پر چراغ، قندیل اور موم بتیاں وغیرہ روشن کرنا بھی بدعت ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خلافِ شرع حرکت سے نہ صرف روکا ہے، بلکہ قبروں پر چراغاں کرنے والوں پر لعنت بھی فرمائی ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زائرات القبور والمتخذین علیہا المساجد والسُّرُجَ، رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی (مشکوٰۃ ص۷۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر، اور قبروں پر مسجدیں بنانے والوں پر اور ان پر چراغ روشن کرنے والوں پر۔

حضرت ملا علی قاری حنفیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

والنهی عن اتخاذ السرج لما فیه من تضییع المال، لانه لا نفع لاحد من السراج، ولانها من آثار جهنم واما للاحتراز عن تعظیم القبور کالنهی عن اتخاذ القبور مساجد (مرقات ص۲۱۹ ج۲)

چراغ رکھنے سے اس لیے روکا گیا ہے کہ اس میں مال ضائع کرنا ہے، کیوں کہ چراغ سے کسی کو فائدہ نہیں، اور روکنے کی یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ چراغ آثار جہنم میں سے ہے، نیز قبروں کی بے جا تعظیم سے بچانے کے لیے بھی روکا گیا ہے جیسے قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے روکا ہے

اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح ارشاد الطالبین میں ارقام فرماتے ہیں کہ:

قبور اولیاء بلند کردن، وگنبد براں ساختن وعرسی وامثال چراغاں کردن ہمہ بدعت است، بعضی ازاں حرام است و بعضی ازاں مکروہ پیغمبر برشمع افروزان نزد قبر وسجدہ کنندگان لعنت گفتہ۔

اولیاء کی قبروں کو بلند کرنا، ان پر گنبد بنانا، عرس اور ان کے مانند چراغاں کرنا سب بدعت ہے، ان میں سے بعض حرام ہیں اور بعض مکروہ، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کے قریب شمع روشن کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے

(ارشاد الطالبین ص۲۲)

(۵) مزاروں پر پھول ڈالنا اور چادریں چڑھانا

قبروں پر پھول ڈالنا اور چادریں چڑھانا خلاف سنت اور بدعت ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح فرماتے ہیں کہ

چادر پوشانیدن بر قبر حرکت لغو است نباید کرد (فتاوی عزیزی ص۹۴ ج۱)

قبر پر چادر ڈالنا لغو حرکت ہے ایسی حرکت نہیں کرنی چاہیے۔

اور شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی ارقام فرماتے ہیں کہ

واما ارتکاب محرمات از روشن کردن چراغہا وملبوس ساختن قبور وسرودھا ونواختن معازف بدعات شنیعہ اند، وحضور چنیں مجالس ممنوع

اور حرام چیزوں کا ارتکاب مثلاً چراغ روشن کرنا قبروں کو لباس پہنانا، گیت (قوالیاں) اور باجے بجانا سب بدعات شنیعہ ہیں اور ایسی مجلسوں میں

(فتاویٰ شاہ رفیع الدین ص۱۴ مجتبائی) جانا ممنوع ہے۔

اور علامہ بدرالدین عینی عمدۃ القاری شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ

وکذلک مایفعلہ اکثر الناس من وضع ما فیہ رطوبۃ من الریاحین والبقول ونحوھما علی القبور لیس بشیئ وانما السنۃ الغرز (عمدۃ القاری ص۹۷ ج۱)

اسی طرح بہت سے لوگ جو تر چیزیں یعنی پھول اور سبزہ وغیرہ قبروں پر رکھتے ہیں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے سنت صرف شاخ گاڑنا ہے۔

علامہ عینی نے شاخ گاڑنے کو جو سنت کہا ہے، وہ ابن عباس رضؓ کی اس حدیث کی وجہ سے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسی دو قبروں پر سے گذر ہوا جن میں عذاب ہو رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شاخ خرما کو چیر کر دو حصے کئے، اور ہر ایک کو ایک قبر پر گاڑ دیا، صحابۂ کرام رضؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایسا کیوں کیا؟ آپؐ نے فرمایا کہ جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہیں ہوں گی امید ہے کہ ان قبر والوں کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی کہ "جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہیں ہوں گی امید ہے کہ ان قبر والوں کے عذاب میں تخفیف رہے گی"، شارحین حدیث نے مختلف وجوہات بیان کی ہیں

بعض حضرات کے نزدیک اس تحدید و توقیت کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تخفیف عذاب کی دعا فرمائی تھی، آپؐ کی شفاعت شاخوں کے خشک ہونے تک قبول کر لی گئی، اس لیے آپؐ نے شاخوں کو گاڑا تھا ——— اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ شاخ جب تک تر ہوتی ہے اللہ کی حمد و ثنا اور تسبیح و تقدیس بیان کرتی ہے، "ان من شیئ الا یسبح بحمدہ"، اس لیے آپؐ نے شاخ گاڑی تھی، تاکہ ان کی تسبیح سے عذاب میں تخفیف رہے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحؒ مشکوۃ کی عربی شرح "لمعات التنقیح" میں مشہور حنفی فقیہہ و محدث امام فضل اللہ تورپشتی کے حوالہ سے ارقام فرماتے ہیں کہ:

وقال التورپشتی وجہ ھذا التحدید ان یقال انہ سأل التخفیف عنھما

امام تورپشتی رحؒ نے فرمایا کہ اس تحدید کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شاخوں

مدة بقاء النداوة فيهما، وقول من قال وجه ذالك ان الغصن الرطب يُسَبِّحُ لله مادام فيه النداوة فيكون مجيزاً عن عذاب القبر قول لا طائل تحته ولا عبرة به عند اهل العلم۔

(لمعات التنقیح ص۴۴ ج۲)

کے تر رہنے تک ان قبروں سے تخفیف عذاب کی شفاعت کی تھی ——— رہا بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ شاخ جب تک تر ہوتی ہے اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے، پس وہ عذاب قبر سے بچانے والی ہوگی، بالکل بے مقصد اور بے فائدہ بات ہے، اور اہل علم کے نزدیک اس کا کوئی اعتبار نہیں

الی اصل شارحین حدیث کے نزدیک پہلی توجیہ ہی صحیح ہے اور مسلم شریف کے آخر میں احادیث متفرقہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث ہے اس میں خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شاخیں گاڑنے کی وجہ یہی بیان فرمائی ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے درخت کی شاخ منگوائی وہ پتھر سے کاٹ کر لے آئے اور دریافت کیا کہ عرّ ذاک یا رسول اللہ: یہ شاخ کیوں منگوائی گئی ہے؟ قال انی مررتُ بقبرین یعذبان فاحببتُ بشفاعتی ان یرفہ عنہما مادام الغصنان رطبین (ج۱ ص۱۱۴ مصری) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ میں دو ایسی قبروں کے پاس سے گذرا جن کو عذاب ہو رہا تھا پس میں نے سفارش کی وجہ سے پسند کیا کہ ان دونوں سے نرمی کی جائے جب تک وہ دونوں شاخیں تر رہیں ——— اس حدیث کی روشنی میں پہلی توجیہ متعین ہے دوسری توجیہ کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں ہے، مگر تھوڑی دیر کے لیے دوسری توجیہ کو صحیح مان لیا جائے تب بھی اس حدیث پھولوں کے ڈالنے کا جواز ثابت نہیں ہوتا صرف شاخوں کے گاڑنے کا جواز ثابت ہوتا ہے، یہی بدرالدین عینی رح کے قول کا مطلب ہے۔

لیکن آج جو مزاروں پر پھولوں کی چادریں چڑھائی جاتی ہیں، وہ اس حدیث پر عمل کرنے کے لیے نہیں، بلکہ قبروں کی تعظیم اور اہل قبور کے تقرب کے لیے چڑھائی جاتی ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی تعظیم اور اہل قبور سے تقرب حاصل کرنے کے لیے پھول چڑھانے

کی ہرگز اجازت نہیں دی ہے، نہ اس حدیث میں دور دور تک ایسی اجازت کا کوئی سراغ ملتا ہے، تعظیم کی خاطر اولیاء اللہ کے مزارات یا قومی لیڈروں کی قبروں پر پھولوں کی چادریں چڑھانے کی جو رسم ہمارے زمانہ میں رائج ہے متقدمین و متاخرین میں سے کسی نے اس کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا، اس لیے اس کے بدعتِ سیئہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں، یہ یہود و نصاریٰ اور ہنود کی رسم ہے جو مسلمانوں میں در آئی ہے۔

گیارہویں کا کھانا ہر قمری مہینہ کی گیارہویں رات کو عموماً اور ماہ ربیع الثانی کی گیارہویں رات کو خصوصاً حضرت محبوب سبحانی، غوث صمدانی شیخ المشائخ حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رح کے نام پر جو کھانا تیار کیا جاتا ہے وہ "گیارہویں شریف" کے نام سے مشہور ہے اس سلسلہ میں دو باتیں خاص طور پر ذہن میں رہنی چاہیے۔

اول یہ کہ غوثِ پاک سیدنا شاہ عبدالقادر جیلانی رح کا وصال ۵۶۱ھ میں ہوا ہے، ظاہر ہے کہ گیارہویں شریف کی رسم محبوب سبحانی کے وصال کے بعد ہی سے شروع ہوئی ہوگی، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رض، تابعین عظام اور ائمہ ہدیٰ خصوصاً امام ابوحنیفہ رح اور خود پیران پیر اپنی گیارہویں نہیں دیتے تھے، پس جس عمل سے اسلام کی کم از کم چھ صدیاں خالی ہوں، اسے دین اسلام کا جز تصور کرنا، اور اسے ایک اہم ترین عبادت کا درجہ دینا کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے۔؟

دوم یہ کہ اگر گیارہویں دینے کا مقصد حضرت غوثِ اعظم کی روح پر فتوح کو ثواب پہنچانا ہے تو بلاشبہ یہ مقصد بہت مبارک ہے، لیکن جس طرح گیارہویں شریف دینے کا رواج ہے اس میں چند خرابیاں ہیں۔

پہلی خرابی یہ کہ شریعت نے ایصال ثواب کے لیے کوئی وقت اور دن مقرر نہیں فرمایا، اور یہ لوگ گیارہویں رات کی پابندی کو کچھ ایسا ضروری سمجھتے ہیں کہ گویا یہی خدائی شریعت ہے، ان کے اس طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایصال ثواب مقصود نہیں بلکہ ان کے نزدیک یہ ایک ایسی عبادت ہے جو صرف اسی تاریخ کو ادا کی جا سکتی ہے۔

الغرض ایصال ثواب کے لیے گیارہویں تاریخ کا التزام کرنا ایک فضول حرکت ہے،

شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ اور اس کو ضروری سمجھ لینا خدا اور رسول کے مقابلہ میں گویا اپنی شریعت بنانا ہے

دوسری خرابی یہ ہے کہ گیارہویں میں اس بات کا خصوصیت سے اہتمام کیا جاتا ہے کہ کھیر ہی پکائی جائے، حالانکہ اگر ایصال ثواب مقصود ہوتا تو اتنی رقم بھی صدقہ کی جاسکتی تھی اور اتنی مالیت کا غلہ یا کپڑا کسی مسکین کو چپکے سے اس طرح دیا جاسکتا تھا کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوتی کہ داہنے ہاتھ نے کیا دیا اور یہ عمل نام ونمود اور ریاء سے پاک ہونے کی وجہ سے مقبول بارگاہ خداوندی بھی ہوتا، کھیر پکانے اور کھانا تیار کرنے ہی کو ایصال ثواب کے لیے ضروری سمجھنا، اور یہ خیال کرنا کہ اس کے بغیر ایصال ثواب نہیں ہوتا یہ بھی مستقل شریعت سازی ہے

تیسری خرابی یہ ہے کہ ثواب تو صرف اتنے کھانے کا ملے گا جو فقراء و مساکین کو کھلایا جائے مگر گیارہویں شریف کا کھانا پکا کر لوگ زیادہ تر خود ہی کھا لیتے ہیں، یا اپنے احباب وعزیز کو کھلا دیتے ہیں، فقراء و مساکین کا حصہ اس میں بہت ہی کم ہوتا ہے، اس کے باوجود یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ جتنا کھانا پکایا گیا اتنے کا ثواب حضرت پیرانِ پیر کو پہنچ جاتا ہے، یہ اصولِ شریعت کے خلاف ہے۔

چوتھی خرابی یہ ہے کہ بہت سے لوگ گیارہویں کے کھانے کو تبرک سمجھتے ہیں، حالانکہ ابھی معلوم ہوا کہ جو کھانا خود کھالیا گیا وہ صدقہ ہی نہیں، اور نہ حضرت پیرانِ پیر کے ایصالِ ثواب سے اسکو کچھ تعلق ہے، پھر اس میں برکت کہاں سے آئی؟! _____ اور کھانے کا جو حصہ صدقہ کر دیا گیا اس کا ثواب امید ہے کہ پہنچے گا، مگر اس کا کھانا فقراء اور مساکین کے لیے جائز ہے، مالداروں کے لیے جائز نہیں ہے۔

پانچویں خرابی یہ ہے کہ بہت سے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ گیارہویں شریف نہ دینے سے ان کے جان و مال میں نقصان ہو جاتا ہے، یا مال میں بے برکتی ہو جاتی ہے گویا نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جیسے قطعی فرائض میں کوتاہی کرنے سے کچھ نہیں بگڑتا، مگر گیارہویں شریف میں ذرا کوتاہی ہو جائے تو جان و مال کے لالے پڑ جاتے ہیں۔

غور کیجیے کہ ایک ایسی چیز جس کا شریعت میں اور فقہ حنفی میں کوئی ثبوت نہ ہو جب

اس کا التزام فرائض شرعیہ سے بھی بڑھ جائے، اور اس کے ساتھ ایسا اعتقاد جم جائے کہ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ فرائض کے ساتھ بھی ایسا اعتقاد نہ ہو، تو اس کے مستقل شریعت ہونے میں کوئی شبہ رہ جاتا ہے ؟

الحاصل حضرت پیران پیر یا دوسرے بزرگوں کو ایصال ثواب کرنا سعادت مندی ہے مگر گیارہویں شریف کے نام سے جو کچھ کیا جاتا ہے وہ مذکورہ بالا خرابیوں کی وجہ سے ناجائز اور بدعت ہے۔

(۷) گیارہویں کا جشن اسی طرح جاہل مسلمان ہر سال ماہ ربیع الثانی کی گیارہ تاریخ کو محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رح کی گیارہویں کے نام سے جو یوم وفات مناتے ہیں اور اپنے گھروں اور مسجدوں میں روشنی کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں وہ بھی بلاشبہ بدعت اور گمراہی ہے، وفات کے دن خوشیاں منانا محبت کی علامت نہیں، عداوت کی نشانی ہے

(۸) کھانے پر فاتحہ بعض لوگ ایصال ثواب کے لیے جو کھانا دیتے ہیں، اس پر مولوی صاحب سے کچھ پڑھواتے ہیں، اس کو بعض لوگ "فاتحہ شریف" اور بعض لوگ "ختم شریف" کہتے ہیں، بادی النظر میں یہ عمل اچھا معلوم ہوتا ہے، مگر اس میں بھی چند قباحتیں ہیں۔

اوّل: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رض، تابعین عظام اور سلف صالحین میں ایصال ثواب کا یہ طریقہ رائج نہیں تھا، اس لیے بلاشبہ یہ طریقہ خلاف سنت ہے۔

دوم: جاہلوں کا خیال ہے کہ جب تک اس طرح ختم نہ پڑھا جائے، میت کو ثواب نہیں پہنچتا حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایصال ثواب کا یہ طریقہ نہیں بتایا، نہ سلف صالحین نے اس پر عمل کیا اس لیے اس کے بدعت ہونے میں کوئی شک نہیں،

سوم: کہا جاتا ہے کہ اگر کھانے پر سورتیں پڑھ لی جائیں تو کیا حرج ہے ؟ حالانکہ اس سے بڑھ کر حرج کیا ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ، آپ کی سنت اور شریعت کے خلاف ہے علاوہ ازیں ہمارے اکابر اہل سنت نے کھانے پر قرآن کریم پڑھنے کو بے ادبی کہا ہے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح کے فتاویٰ میں ہے۔

سوال: کسے کلام اللہ یا آیت کلام مجید را بر طعام خواندچہ حکم است؟ شخصے می گوید کہ کلام اللہ بر طعام خواندن آنچناں است کہ کسے در جائے ضرور بخواند نعوذ باللہ منہا۔

جواب: بایں طور گفتن روا نیست، بلکہ سوء ادبی است اگر ایں چنیں گفت کہ در ہمچوں اینجا خواندن سوء ادبی است مضائقہ ندارد (فتاویٰ عزیزی ص ۹۵/۱)

سوال: کوئی شخص کلام اللہ، یا قرآن مجید کی آیت کھانے پر پڑھے تو کیا حکم ہے؟ ایک شخص کہتا ہے کہ کلام اللہ کھانے پر پڑھنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص قضائے حاجت کی جگہ پڑھے، نعوذ باللہ۔

جواب: ایسا کہنا درست نہیں، بلکہ سوء ادبی ہے ہاں اگر یوں کہتا کہ ایسی جگہ قرآن مجید پڑھنا سوء ادبی ہے، تو مضائقہ نہ ہوتا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رح کے اس جواب سے معلوم ہوا کہ کھانے پر قرآن مجید کی کوئی سورت یا آیت پڑھنا سوء ادبی ہے، اس لیے اس کے ناجائز ہونے میں کوئی شک نہیں۔

اور فتاویٰ سمرقندیہ میں ہے قراءۃُ الفاتحۃِ والاخلاص والکافرون علی الطعامِ بدعۃٌ "سورہ فاتحہ، سورۂ اخلاص اور سورہ کافرون کھانے پر پڑھنا بدعت ہے (بحوالہ الجنہ لاہل السنہ ص ۱۷۸)

چہارم: مولوی صاحب کو بلا کر کھانے پر جو ختم پڑھایا جاتا ہے اس میں ایک قباحت یہ ہے کہ مولوی صاحب اپنے ختم کے بدلے میں کھانا لے جاتے ہیں، اگر مولوی صاحب ختم نہ پڑھیں تو وہ کھانے سے محروم رہیں، اور اگر گھر والے کھانا نہ دیں تو مولوی صاحب ختم پڑھنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے، گویا مولوی صاحب کے ختم اور گھر والوں کے کھانے کا باہمی تبادلہ ہوتا ہے اور یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کا معاوضہ بن جاتی ہیں، حالانکہ قرآن مجید معاوضہ لے کر پڑھا جائے تو ثواب نہیں ملتا، اسی طرح جو کھانا معاوضہ کے طور پر کھلایا جائے وہ بھی ثواب سے خالی ہوتا ہے، ختم پڑھایا تو اس لیے گیا تھا کہ دہرا ثواب ملے گا، مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اکہرا ثواب بھی جاتا رہا، بلکہ نیکی برباد گناہ لازم والا معاملہ ہو گیا۔

پنجم: بعض جگہ اس رسم کی پابندی اسقدر کی جاتی ہے کہ جب تک کھانے پر ختم شریف نہ پڑھا جائے، کسی کو کھانے کی اجازت نہیں ہوتی، کبھی مولوی صاحب کے آنے میں کسی وجہ سے تاخیر ہو جائے تو بچوں تک کو کھانے سے محروم رکھا جاتا ہے، خواہ وہ کتنے ہی بلبلاتے رہیں

ان قباحتوں کی بناپر کھانے پر فاتحہ خوانی، یا قرآن خوانی کی رسم ناجائز اور بدعت ہے، تاہم ختم پڑھنے سے کھانا حرام نہیں ہوتا، اس کو کھا سکتے ہیں۔

(۹) تیجا، ساتواں اور چالیسواں کرنا بزرگان دین، عزیز واقارب اور احباب جو وفات پاچکے ہیں یا حیات ہیں ان کے لیے دعاء واستغفار کرنا اور صدقہ خیرات دینا، اور بلا اجرت قرآن شریف اور کلمہ طیبہ وغیرہ پڑھ کر ایصال ثواب کرنا اسی طرح نفل نماز، روزہ، حج اور قربانی وغیرہ عبادتوں کا ثواب کسی مسلمان کو بخشنا نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحسن اور مندوب ہے لیکن ایصال ثواب کے لیے شریعت نے دنوں اور تاریخوں کی کوئی تعیین وتخصیص نہیں کی ہے اس لیے اپنی طرف سے ایصال ثواب کے لیے کوئی دن مقرر کرنا اور اس کو ضروری سمجھنا ناجائز اور بدعت ہے۔

اسی طرح اپنے کسی عزیز و قریب کی وفات کے دن یا تیسرے دن، ساتویں دن، دسویں دن اور چالیسویں دن اہل میت کی طرف سے جو کھانا کھلایا جاتا ہے اور دعوت کی جاتی ہے وہ بھی بدعت قبیحہ ہے، فتاویٰ بزازیہ میں ہے

ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول و الثالث وبعد الاسبوع، (بحوالہ شامی ج۱ ص۸۳۹)	اہل میت کا پہلے دن، تیسرے دن اور ہفتہ کے بعد کھانا تیار کرنا مکروہ ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ "وصیت نامہ" میں اپنے عزیز واقارب کو وصیت فرماتے ہیں کہ

وبعد مردنِ من رسوم دنیوی مثل دہم وبستم وچہلم وششماہی وبرسینی ہیچ نہ کنند (مالابد منہ ص۱۴۵)	میری وفات کے بعد دنیوی رسوم مثلاً دسواں، بیسواں چالیسواں ششماہی اور برسی کچھ نہ کریں۔

اور رضاخانی عالم مولوی امجد علی "بہار شریعت" میں لکھتے ہیں کہ

"میت کے گھر والے تیجہ وغیرہ کے دن دعوت کریں تو ناجائز اور بدعت قبیح ہے کہ دعوت تو خوشی کے وقت مشروع ہے نہ کہ غمی کے وقت"

(بہار شریعت ص۱۵۹ حصہ چہارم)

(۱۰) نماز جنازہ کے بعد دعا نماز جنازہ کے بعد تدفین سے پہلے اجتماعی طور پر دعا کرنا اور اس کو سنت سمجھنا بدعت ہے، علامہ سراج الدین حنفیؒ فرماتے ہیں

اذا فرغ من الصلوٰۃ لایقوم بالدعاء (فتاویٰ سراجیہ ص۲۳)

جب نماز جنازہ سے فارغ ہوجائے تو دعا کے لیے نہ ٹھہرے۔

اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ

لایقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ لِاَنَّہٗ دَعَا مَرَّۃً (فتاویٰ بزازیہ ص۲۸۳)

نماز جنازہ کے بعد دعاء کے لیے نہ ٹھہرے، اس لیے کہ ایک دفعہ (نماز جنازہ میں) دعا کرچکا ہے۔

اور علامہ ابن نجیم حنفی رح فرماتے ہیں کہ

ولایدعوا بعد التسلیم (البحر الرائق ص۱۸۳ ج۲)

سلام پھیرنے کے بعد دعا نہ کرے۔

حضرت ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں کہ

ولایدعوا للمیت بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ یُشْبِہُ الزیادۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ (مرقات ص۶۴ ج۴)

نماز جنازہ کے بعد میت کے لیے دعا نہ کرے کیوں کہ یہ نماز جنازہ میں زیادتی کے مشابہ ہے

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا ممنوع اور مکروہ ہے اور مکروہ کو مستحسن سمجھنا بدعت ہے، حضرت مجدد الف ثانی رح فرماتے ہیں کہ

مکروہ را مستحسن دانستن از اعظم جنایات است چہ حرام را مباح دانستن منجر بکفر است، و مکروہ را حسن پنداشتن یک مرتبہ ازاں پایاں است، شناعتِ ایں فعل را نیک ملاحظہ باید نمود۔ (مکتوبات مجدد الف ثانی حصہ پنجم ص۷۴)

مکروہ کو مستحسن سمجھنا اعظم جنایات میں سے ہے کیوں کہ حرام کو مباح سمجھنا کفر تک پہنچاتا ہے، اور مکروہ کو مستحسن گمان کرنا اس سے ایک درجہ فروتر ہے، اس فعل کی قباحت اچھی طرح ملاحظہ کرلینی چاہیے۔

رضاخانی مغالطہ مفتی احمد یار خاں "منتخب کنز العمال" کے حوالہ سے اور مولوی محمد عمر بیہقی "فتح ربانی" کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی کی نماز جنازہ پڑھائی، تو چوتھی تکبیر کے بعد دعا کی، اور فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(جاء الحق ص۲۶۳ اور مقیاس حنفیت ص۵۲۶)

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے، کیوں کہ اس کی سند میں ایک راوی ابراہیم ہجری ہے جو نہایت ضعیف راوی ہے، تفصیل کے لیے دیکھیے تہذیب التہذیب ص۱۶۵ ج۱

علاوہ ازیں یہ نماز جنازہ کے بعد والی دعا نہیں ہے، بلکہ چوتھی تکبیر اور سلام پھیرنے کے درمیان کی دعا ہے، اور حضراتِ شوافع کا اس پر عمل ہے، امام نوویؒ لکھتے ہیں:

وفی روایۃ کبّر اربعًا فمکث ساعۃً حتّٰی ظننت انہ سیکبّر خمسًا ثم سلّم عن یمینہ وعن شمالہ (ریاض الصالحین ص۳۶۹ اور کتاب الاذکار ص۱۴۵)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے چوتھی تکبیر کہی، پھر تھوڑی دیر ٹھہرے یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ وہ پانچویں تکبیر کہیں گے مگر پھر انہوں نے دائیں اور بائیں سلام پھیرا۔

اور امام بیہقی نے اس روایت پر یہ باب قائم فرمایا ہے: باب ما روی فی الاستغفار للمیت والدعاء ما بین التکبیرۃ الرابعۃ والسلام (سنن کبریٰ ص۴۲ ج۴)

مگر احناف نے اس روایت کو ضعیف ہونے کی وجہ سے معمول بہ نہیں بنایا، درمختار میں ہے ویسلّم بلا دعاء بعد الرابعۃ (اور چوتھی تکبیر کے بعد دعا کیے بغیر سلام پھیرے) اور علامہ شامی بلا دعاء کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

قولہ بلا دعاء) ھو ظاھر المذھب وقیل یقول اللھم آتنا فی الدنیا حسنۃ الخ وقیل: ربنا لا تزغ قلوبنا الخ وقیل یخیر بین السکوت والدعاء (شامی ص۵۸۵ ج۱)

یہ ظاہر مذہب ہے، اور بعض حضرات نے کہا کہ اللھم آتنا فی الدنیا حسنۃ الخ پڑھے اور بعض حضرات نے کہا کہ ربنا لا تزغ قلوبنا الخ پڑھے اور بعض حضرات نے کہا اختیار ہے چاہے خاموش رہے یا دعا کرے۔

نوٹ: رضاخانیوں کے مزید مغالطوں اور ان کے جوابوں کے لیے دیکھیے حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صفدر کی کتاب "راہ سنت"، جس کا عربی نام "المنہاج الواضح"

ہے یہ کتاب بدعاتِ مروجہ کی تردید میں عمدہ کتاب ہے اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

(۱۱) جنازہ کے ہمراہ ذکر کرنا جنازے کے آگے یا پیچھے زور زور سے کلمہ پڑھنا، ذکر کرنا یا قرآن شریف پڑھنا بھی بدعت ہے، حافظ ابن کثیر طبرانی کے حوالہ سے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ

ان اللّٰہ یحبُّ الصَّمتَ عند ثلاث، عند تلاوۃ القرآن وعند الزَّحفِ وعند الجنازۃ (تفسیر ابن کثیر ص۲۱۹ ج۲)

اللہ تعالیٰ تین موقعوں پر خاموشی کو پسند فرماتے ہیں قرآن شریف کی تلاوت کے وقت، دشمن کی طرف پیش قدمی کرتے وقت اور جنازے کے پاس

اور حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رح حضرت قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ

کان اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یکرھون الصوت عند ثلاث، الجنائز والقتال والذکر (السیر الکبیر مع شرح السرخسی ص۸۹ ج۱ اور البحر الرائق ص۷۶ ج۵)

صحابہ کرام تین موقعوں پر آواز بلند کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے، جنازے، قتال اور ذکر اللہ کے وقت۔

یہ روایتیں اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ جنازے کے آگے یا پیچھے زور زور سے کلمہ طیبہ پڑھنا یا اور کوئی ذکر کرنا مکروہ ہے، چنانچہ فقہائے احناف نے پوری وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ جنازے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا، قرآن پاک پڑھنا اور (کلُّ حیٍّ یموت (ہر زندہ مرنے والا ہے) کے نعرے لگانا مکروہ تحریمی اور بدعت ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وعلی متبعی الجنازۃ الصَّمتُ، ویُکرہُ لھم رفع الصوت بالذکر وقراءۃ القرآن (عالمگیری ص۱۶۲ ج۱ مصری)

جنازے کے ساتھ جانے والوں پر لازم ہے کہ خاموش رہیں، اور ان کے لیے بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن شریف پڑھنا مکروہ ہے۔

اور امام سراج الدین اوشی رح فرماتے ہیں کہ

رفع الصوت بالذکر وقراءۃ القرآن

جنازے کے پیچھے بلند آواز سے ذکر کرنا، قرآن کریم

وقولهم کلّ حیّ یموت ونحو ذلک خلف الجنازۃ بدعۃ (فتاوی سراجیہ ص۳۳ مطبوعہ نولکشور)

پڑھنا اور یہ کہنا کہ "ہر زندہ مرنے والا ہے" وغیرہ بدعت ہے۔

اور علامہ ابن نجیم حنفی البحر الرائق میں ارقام فرماتے ہیں کہ

وَیَنْبَغِی لِمَنْ تَبِعَ الجنازۃَ ان یطیل الصَّمْتَ، ویُکْرَہُ رفع الصوت بالذکر وقراءۃ القرآن وغیرھما فی الجنازۃ والکراھۃ فیھا کراھۃ تحریم (البحر الرائق ص۱۹۹ ج۲)

جو لوگ جنازے کے ساتھ جائیں ان کے لیے مناسب ہے کہ طویل خاموشی اختیار کریں، اور جنازے میں بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن شریف پڑھنا اور ان دونوں کے علاوہ کچھ اور بلند آواز سے پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

(۱۲) قبر پر اذان دینا

میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دینا خلاف سنت اور بدعت ہے

شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

اذان دادن بر قبر بعد دفن مکروہ است کہ معہود از سنت نیست (مائۃ مسائل ص۵۵)

دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دینا مکروہ ہے کیونکہ سنت سے ثابت نہیں ہے۔

اور علامہ ابن عابدین شامی ارقام فرماتے ہیں کہ

لا یُسَنُّ الاذانُ عند ادخال المیت فی قبرہ کما ھو المعتاد الآن وقد صرح ابن حجر فی فتاواہ بانہ بدعۃ، وقال ومن ظنّ انہ سُنَّۃٌ قیاسًا علی ندبھما للمولود الحاقًا لخاتمۃ الامر بابتدائہ فلم یصب۔ (شامی ص۶۰۰ ج۱ کتاب الجنائز)

میت کو قبر میں اتارنے کے وقت اذان کہنا مسنون نہیں، جیسا کہ اب اس کا رواج ہو چکا ہے اور ابن حجر نے اپنے فتاوی میں تصریح کی ہے کہ یہ بدعت ہے، اور کہا ہے کہ جس شخص نے نومولود بچے کے کان میں اذان و اقامت کے مستحب ہونے پر قیاس کر کے اور اختتام امر کو ابتدائے امر کے ساتھ لاحق کرتے ہوئے اذان قبر کو سنت خیال کیا ہے اس نے غلطی کی ہے۔

اور مجالس ابرار میں ہے کہ:

"جس فعل کا سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود ہو، اور کوئی مانع

بھی نہ ہو اس کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نہ کیا ہو، تو ایسا کام کرنا اللہ کے دین کو بدلنا ہے، کیوں کہ اگر اس کام میں کوئی مصلحت ہوتی تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ضرور کرتے یا ترغیب دیتے لیکن جب آپؐ نے نہ خود کیا، نہ کسی کو اس کے کرنے کی ترغیب دی تو معلوم ہوا کہ اسمیں کوئی مصلحت نہیں، بلکہ وہ بدعت قبیحہ اور سیئہ ہے، اس کی مثال عیدین میں اذان کہنا ہے، چنانچہ جب بعض سلاطین نے اسکو ایجاد کیا تو علماء نے اس کو منکر سمجھا، اور اس کے مکروہ ہونے کا حکم لگایا۔ (مجالس الابرار مجلس ۱۸ فی اقسام البدع واحکامہا)

ٹھیک یہی حال قبر پر اذان دینے کا ہے، کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کا سبب اور محرک (یعنی میت کی تدفین) موجود تھا، اور کوئی مانع بھی نہیں تھا، لیکن اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ قبر پر اذان دینے کا حکم دیا نہ ترغیب دی، پس اس کے بدعت قبیحہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی دامت برکاتہم کا رسالہ ”امعان النظر فی اذان القبر“، جس میں اس مسئلہ کے علاوہ بدعت کے متعلق نہایت نفیس اصولی بحث بھی کی گئی ہے۔

(۱۳) اذان کے وقت انگوٹھے چومنا

اذان واقامت میں جب مؤذن اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہتا ہے تو بعض لوگ انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھتے ہیں، اور اس کو سنت سمجھتے ہیں، یہ بھی بے اصل چیز ہے خود مولوی احمد رضا خاں بریلوی ”ابرّ المقال“ میں لکھتے ہیں کہ:

”اذان میں وقت استماع نام پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھوں کے ناخن چومنا، آنکھوں پر رکھنا کسی حدیث صحیح مرفوع سے ثابت نہیں، جو کچھ اس میں روایات کیا جاتا ہے کلام سے خالی نہیں، پس جو اس کے لیے ایسا ثبوت مانے، یا اس کو مسنون ومؤکد جانے، یا نفس ترک کو باعث زجر وملامت کہے وہ بے شک غلطی پر ہے۔

(ابرّ المقال ص ۱۲)

(۱۴) نمازوں کے بعد مصافحہ کرنا ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا سنت ہے، احادیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے، مگر فجر، عصر، جمعہ اور عیدین کی نمازوں کے بعد جو مصافحہ کیا جاتا ہے، اور اس کو سنت سمجھا جاتا ہے وہ بدعت مذمومہ ہے، شامی میں ہے:

تکرہ المصافحۃ بعد اداء الصلوٰۃ بکل حال، لان الصحابۃ رضی اللہ عنہم ما صافحوا بعد اداء الصلوٰۃ، ولانہا من سنن الروافض اھ ثم رأیت نقل عن ابن حجر من الشافعیہ انہا بدعۃ مکروہۃ لا اصل لہا فی الشرع وانہ ینبغی فاعلہا اولاً ویعزر ثانیاً ثم قال وقال ابن الحاج من المالکیہ فی المدخل انہا من البدع، وموضع المصافحۃ فی الشرع انما ہو عند لقاء المسلم لاخیہ، لا فی ادبار الصلوات، فحیث وضعہا الشرع یضعہا، فینہیٰ عن ذلک ویزجر فاعلہا لما اتی بہ من خلاف السنۃ۔

(شامی ص۲۴۳ ج ۵ کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ)

نیز شامی جلد اول میں ہے:

نماز پڑھنے کے بعد ہر حال میں مصافحہ کرنا مکروہ ہے کیوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز پڑھنے کے بعد مصافحہ نہیں کیا کرتے تھے، اور اس لیے بھی مکروہ ہے کہ یہ روافض کا شیوہ ہے۔

اور علامہ ابن حجر شافعی سے نقل کیا گیا ہے کہ نماز کے بعد مصافحہ کرنا مکروہ بدعت ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں، اور ابن حجر نے یہ بھی کہا ہے کہ نماز کے بعد مصافحہ کرنے والے کو اولاً تنبیہ کی جائے گی، اور ثانیاً اس کو سزا دی جائے گی، اور ابن الحاج مالکی نے مدخل میں فرمایا ہے کہ نماز کے بعد مصافحہ کرنا بدعت ہے اور شریعت میں مصافحہ کرنے کا محل صرف مسلمان کا اپنے مسلمان بھائی سے ملاقات کے وقت ہے نمازوں کے بعد نہیں، پس جہاں شریعت نے مصافحہ رکھا ہے وہیں مصافحہ کرے اور نماز کے بعد مصافحہ کرنے سے روکا جائے گا اور زجر و توبیخ کی جائے گی، کیوں کہ وہ سنت کے خلاف کام کر رہا ہے۔

وقد صرح بعض علمائنا وغیرهم بکراهة المصافحة المعتادة عقب الصلوات مع ان المصافحة سنة وما ذاک الا لکونها لم تؤثر فی خصوص هذا الموضع فالمواظبة علیها فیه توهم العوام بانها سنة فیه (شامی ص۶۰۰ ج ۱)

ہمارے بعض علما اور دیگر حضرات نے تصریح فرمائی ہے کہ نمازوں کے بعد مروجہ مصافحہ مکروہ ہے، باوجودے کہ اصل مصافحہ سنت ہے، اور اس کی وجہ یہی ہے کہ بالخصوص اس موقع پر مصافحہ کرنا منقول نہیں ہے، پس اس پر مداومت کرنے میں عوام کو غلط فہمی ہوگی کہ اس وقت بھی مصافحہ کرنا سنت ہے

اور حضرت ملا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ میں ارقام فرماتے ہیں کہ:

مشروع مصافحہ کا محل اول ملاقات ہے اور بعض لوگ مصافحہ کیے بغیر ایک دوسرے سے ملتے ہیں، اور کافی دیر تک ایک ساتھ بیٹھ کر گفتگو کرتے ہیں، اور علم وغیرہ کا مذاکرہ کرتے ہیں، پھر جب نماز سے فارغ ہوتے ہیں تو مصافحہ کرتے ہیں، اس کا مسنون مصافحہ سے کیا تعلق؟ اسی لیے ہمارے بعض علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اس وقت مصافحہ کرنا مکروہ ہے اور مذموم بدعتوں میں سے ہے، ——— ہاں اگر کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت میں پہنچا کہ لوگ نماز میں تھے، یا نماز شروع کرنے والے تھے، تو نماز کے بعد ان سے مصافحہ کرنا مسنون مصافحہ کے قبیل سے ہے (بہرحال مسئلہ یہی ہے) لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائے تو اپنا ہاتھ کھینچ کر ایسی شکل پیدا نہیں کرنی چاہیے کہ اس کو رنج و تکلیف اور شکایت ہو (مرقات ص۷۴ ج۹ باب المصافحہ والمعانقہ)

(۱۵) نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا

بعض مساجد میں لوگ نمازوں کے بعد خصوصاً فجر اور عشاء کی نماز کے بعد سُر میں سُر ملا کر اونچی آواز سے کلمہ شریف یا درود شریف پڑھتے ہیں، اور اس کو دین کا اہم شعار سمجھتے ہیں، جو ایسا نہ کرے وہ ان کے خیال میں وہابی ہے حالانکہ یہ سنتِ نبوی اور مطلوبِ شرعی کے سراسر خلاف اور بدعتِ شنیعہ ہے۔ فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

رفع الصوت بالذکر حرام وقد صح بلند آواز سے ذکر کرنا حرام ہے، حضرت عبداللہ

عن ابن مسعود رض انه سمع قوما اجتمعوا فی مسجد یُهَلِّلُوْنَ وَ یُصَلُّوْن علیه علیه الصلوٰة والسلام جهرًا، فراح الیهم فقال: ما عهدنا ذالک علیٰ عهده علیه السلام ولا اراکم الا مبتدعین، فما زال یذکر ذالک حتی اخرجهم من المسجد

(بزازیہ برحاشیہ فتاویٰ عالمگیری ص۳۷۸ ج ۶)

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہے کہ آپؓ نے سنا کہ کچھ لوگ مسجد میں جمع ہو کر بلند آواز سے کلمہ طیبہ اور درود شریف پڑھتے ہیں آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ چیز نہیں دیکھی، میں تمہیں بدعتی ہی خیال کرتا ہوں، آپؓ بار بار یہی بات کہتے رہے، یہاں تک کہ ان کو مسجد سے نکال دیا۔

اور امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ

ونقل ابن بطال وآخرون ان اصحاب المذاهب المتبوعة وغیرهم متفقون علیٰ عدم استحباب رفع الصوت بالذکر والتکبیر (مسلم شریف ص۲۱۷ ج ۱)

ابن بطّال اور دیگر علماء نے یہ بات نقل کی ہے کہ مذاہب اربعہ کے اصحاب اور دیگر حضرات سب اس بات پر متفق ہیں کہ بلند آواز سے ذکر کرنا اور تکبیر کہنا مستحب نہیں ہے۔

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ نہ صرف احناف بلکہ تمام مقلدین کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے ہاں ابن حزم ظاہری جو غیر مقلدین کے امام اور پیشوا ہیں وہ نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنے کو مستحب کہتے ہیں، دیکھئے شرح مسلم ص۲۱۷ ج ۱)

(۱۶) نوافل کے بعد اجتماعی دعا کرنا

بعض مساجد میں یہ رواج ہے کہ لوگ سنن و نوافل سے فارغ ہو کر دعا ثانی کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں، جب سنن و نوافل سے فارغ ہو جاتے ہیں تو امام دعا کرتا ہے، اور لوگ اس پر آمین کہتے ہیں ——— لوگوں کا یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرامؓ کے طریقہ کے خلاف ہے، عام طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضؓ سنن و نوافل مسجد میں نہیں پڑھتے تھے، بلکہ گھر جا کر سنن و نوافل ادا فرماتے تھے حضرت کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اتیٰ مسجد بنی عبد الاشہل فصلیٰ فیہ المغرب فلما قضوا صلوتھم وراٰھم یسبحون بعدھا فقال ھذہ صلوٰۃ البیوت رواہ ابوداؤد، وفی روایۃ الترمذی والنسائی قام ناس یتنفلون فقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم علیکم بھذہ الصلوٰۃ فی البیوت (مشکوٰۃ ص۱۰۵ باب السنن)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنو عبدالاشہل کی مسجد میں آئے اور اس میں مغرب کی نماز پڑھی، جب لوگ فرض نماز ادا کر چکے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرض نماز کے بعد سنن نوافل پڑھتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ اس نماز کو گھروں میں پڑھنے کا التزام کرو۔

اور عطا تابعی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب مکہ مکرمہ میں جمعہ کی نماز پڑھتے تو اپنی جگہ سے آگے بڑھ کر دو رکعت پڑھتے، پھر اور آگے بڑھ کر چار رکعت ادا فرماتے ——— اور جب مدینہ منورہ میں جمعہ کی نماز پڑھتے تو اپنے گھر تشریف لے جاتے اور گھر جا کر پہلے دو رکعت پھر چار رکعت پڑھتے، حضرت ابن عمر رضؓ سے دریافت کیا گیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں، تو انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کیا کرتے تھے (حوالہ سابق)

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضؓ کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ سنن و نوافل گھروں میں ادا کرتے تھے، مسجد میں نہیں پڑھتے تھے، ظاہر ہے کہ اس صورت میں سنن و نوافل کے بعد اجتماعی دعا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیوں کہ گھروں میں سنن و نوافل پڑھکر مسجد میں واپس آنا کسی روایت سے ثابت نہیں ہے،

اور کبھی کسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضؓ مسجد میں سنن و نوافل ادا فرماتے تھے، تب بھی صحابہ کرام رضؓ اپنی نمازیں پڑھکر منتشر ہو جاتے تھے۔ دعاءِ ثانی کے انتظار میں بیٹھے نہیں رہتے تھے، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یطیل القراءۃ فی الرکعتین بعد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کے بعد دو رکعت میں اتنی لمبی قراءت کرتے تھے کہ اہل

المغرب حتی یتفرق اھل المسجد مسجد منتشر ہو جاتے تھے۔

(ابوداؤد ص۱۸۴ ج۱ باب رکعتی المغرب)

اور حضورؐ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر رہا، تو آپؐ نے عشاء کی نماز پڑھی، پھر عشاء کے بعد نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ مسجد میں آپؐ کے سوا کوئی نہ رہا (شرح معانی الآثار ص۲۰۱ ج۱ باب التطوع فی المسجد)

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ سنن ونوافل کے بعد دعاء ثانی کے لیے بیٹھے رہنا، اور سنن ونوافل سے فارغ ہونے کے بعد اجتماعی دعا کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ کی سنت اور صحابہ کرام کے عمل سے ثابت نہیں ہے، اور جو کام سنت سے ثابت نہ ہو اس کا التزام اور اس کو ضروری سمجھنا بدعتِ ضلالہ ہے، اس لیے سنن ونوافل کے بعد اجتماعی دعا اور سابقہ تمام بدعات سے اجتناب کرنا چاہیے، شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

خلاف پیمبر کسے رہ گزید ⁘ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
مپندار سعدی کہ راہ صفا ⁘ تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ

ترجمہ: جس نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف راہ اختیار کی، وہ ہرگز منزل مقصود کو نہیں پہنچے گا، سعدی! یہ خیال مت کرو کہ سیدھی راہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم کی پیروی کیے بغیر حاصل ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام کے طریقہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین، وصلی اللہ علی النبی الکریم۔

سہیل احمد قاسمی محلہ محل دیوبند

Syed Khawar Ali
16/07/06

بابت سنہ ۱۴۱۶ھ

چھٹا محاضرہ علمیہ

بر موضوع

ردِّ رضاخانیت

پیش کردہ

حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالنپوری

استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

فہرست مضامین

مضامین	صفحہ
محاضرہ کا موضوع	۴
حضرت شاہ اسماعیل شہید پر بہتان	۴
(۱) پہلا بہتان کہ شاہ صاحب آنحضرتؐ کا مرتبہ صرف بڑے بھائی جتنا تسلیم کرتے ہیں	۵
جواب	″
(۲) دوسرا بہتان کہ آنحضرتؐ مر کر مٹی ہو گئے	۷
جواب	″
(۳) تیسرا بہتان کہ شاہ صاحب نے حضراتِ انبیاء و اولیاء کو چوہڑے چمار کہا ہے	۹
جواب	″
ایک اہم ضابطہ	۱۱
(۴) چوتھا بہتان کہ شاہ صاحب نے تمام انبیاء و اولیاء کو چمار سے بھی زیادہ ذلیل کہا ہے	۱۱
جواب	۱۲
(۵) پانچواں بہتان کہ نماز میں آنحضورؐ کی طرف خیال لیجانا گدھے اور بیل کے خیال سے بدرجہا بدتر ہے	۱۳
تمہید جواب	۱۳
جواب	۱۵
حضرت نانوتوی قدس سرہٗ پر بہتان	۱۸
(۱) پہلا بہتان کہ آپ ختم نبوت زمانی کے منکر ہیں	″
تمہید جواب	۱۹
جواب	۲۳
خاں صاحب کی خیانت	۲۵
(۲) دوسرا بہتان کہ اعمال میں امتی انبیاء کرام سے بڑھ جاتے ہیں	۲۶
جواب	۲۷
حضرت گنگوہی قدس سرہٗ پر بہتان کہ معاذ اللہ! وہ خدا کو جھوٹا مانتے ہیں	۲۸
جواب	۲۸
حضرت سہارنپوریؒ پر بہتان کہ معاذ اللہ ان کے نزدیک شیطان کا علم آنحضورؐ کے علم سے زیادہ ہے	۳۰
تمہید جواب	۳۰
تحقیقی جواب	۳۱
مُسکتِ جواب	۳۴
ایک وسوسہ کا ازالہ	۳۶
حضرت تھانویؒ پر بہتان	۳۸

مضامین	صفحہ
① پہلا بہتان کہ معاذاللہ! ان کے نزدیک غیب کی باتوں کا جیسا علم رسول اکرم ﷺ کو ہے ایسا تو ہر بچہ اور پاگل بلکہ ہر حیوان اور چوپائے کو بھی حاصل ہے	۳۸
جواب	۳۸
② دوسرا بہتان کہ حضرت تھانوی رح	۴۱
نبوت کے دعوے دار ہیں اور ان کے مریدان کا کلمہ پڑھتے ہیں اور ان پر درود بھیجتے ہیں	۴۱
تمہید جواب	۴۲
جواب	۴۴
کسی مسلمان کو کافر کہنے کا انجام	۴۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، امابعد!

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حاسدین نے امام صاحب کو بدنام کرنے کے لئے جس طرح انکی بعض عبارتوں کو غلط معنیٰ پہنا کر ان پر مُرجئہ ہونے کا الزام لگایا تھا، اسی طرح مولوی احمد رضا خاں بریلوی اور ان کے متبعین حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ اور اکابر دارالعلوم دیوبند کو بدنام کرنے کے لئے ان کی بعض عبارتوں کو غلط معنی پہنا کر ان پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں، اور لوگوں کو یہ باور کرانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں کہ علمائے دیوبند ــــ نعوذ باللہ ــــ اللہ جل شانہ کو جھوٹا کہتے ہیں، اور سید المرسلین، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء واولیاء کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم زمانی ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

حالانکہ اکابر کی طرف رضاخانی جن کفریہ عقائد کی نسبت کرتے ہیں وہ ان اکابر کے نزدیک بھی کفر ہیں۔ اور اکابر کی جن عبارتوں سے رضاخانی کفریہ عقائد منتزع کرتے ہیں ان کا صحیح مطلب بار بار بیان کیا جاچکا ہے، لیکن اس کے باوجود آج بھی رضاخانی ان کفریہ عقائد کی نسبت اکابر کی طرف کرتے رہتے ہیں۔ اور ان کی عبارتوں کا غلط مطلب بیان کرکے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اس لئے اس محاضرہ میں حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ اور اکابر دارالعلوم دیوبند کی ان عبارتوں کا صحیح مطلب پیش کیا جاتا ہے تاکہ آپ جان لیں کہ حضرت شاہ شہیدؒ اور اکابر دارالعلوم کی طرف رضاخانی جن کفریہ عقائد کی نسبت کرتے ہیں، ان سے ان کا دامن بالکل پاک ہے۔

حضرت شاہ شہید پر بہتان

آپ کا اسم گرامی اسماعیل ہے آپ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب (متوفی ۱۲۲۷ھ) کے بیٹے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ) کے پوتے ہیں، آپ ۱۲ ربیع الثانی ۱۱۹۳ھ کو دہلی میں پیدا ہوئے اور ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۱ء بوقت ظہر "بالاکوٹ" کے مقام پر سکھوں سے

جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے، بالاکوٹ کے عقب میں ایک پہاڑی نالے کے قریب بلند ٹیلے پر آپکی قبر ہے

پہلا بہتان حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ پر ایک بہتان یہ لگایا گیا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ صرف بڑے بھائی جتنا تسلیم کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ جتنی تعظیم و تکریم اپنے بڑے بھائی کی کرنی چاہیئے۔ اتنی ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کرنی چاہیئے، اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے

خانصاحب بریلوی "اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام" میں چند فرقوں کے نظریات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"اس کی خباثتِ قلبی توہین شان رفیع المکان واجب الاعظام حضور سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام پر باعث ہو کہ حضور کو اپنا بڑا بھائی بتائے" (ص ۱۸) آخر میں لکھتے ہیں کہ "یہ سب فرقے بالقطع والیقین کافر مطلق ہیں" (ص ۲۰)

جواب حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی شرک و بدعت کی تردید میں ایک معرکۃ الآرا کتاب "تقویۃ الایمان" ہے جو اردو میں ہے اور نہایت آسان ہے، اسی کتاب کی ایک عبارت سے رضا خانی یہ کفریہ مضمون نکال کر حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کی طرف منسوب کرتے ہیں اسلئے پہلے تقویۃ الایمان کی پوری عبارت بعینہٖ ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔

اَخْرَجَ اَحْمَدُ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِیْ نَفَرٍ مِنَ الْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ فَجَاءَ بَعِیْرٌ فَسَجَدَ لَهٗ، فَقَالَ اَصْحَابُهٗ، یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! تَسْجُدُ لَكَ الْبَهَائِمُ وَالشَّجَرُ فَنَحْنُ اَحَقُّ اَنْ نَّسْجُدَ لَكَ، فَقَالَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَاَكْرِمُوْا اَخَاكُمْ (مشکوٰۃ شریف باب عشرۃ النساء ص ۲۸۳ فصل ثالث)

ترجمہ:- مشکوٰۃ کے باب عشرۃ النساء میں لکھا ہے کہ امام احمدؒ نے ذکر کیا کہ بی بی عائشہؓ نے ذکر کیا کہ پیغمبر خدا مہاجرین اور انصار میں بیٹھے تھے کہ آیا ایک اونٹ، پھر اس نے سجدہ کیا پیغمبر خدا کو، سو ان کے اصحاب کہنے لگے کہ اے پیغمبر خدا تم کو سجدہ کرتے ہیں جانور اور درخت سو ہم کو ضرور چاہیئے کہ تم کو سجدہ کریں، سو فرمایا کہ بندگی کرو اپنے رب کی اور تعظیم کرو اپنے بھائی کی،

فائدہ:- یعنی انسان سب آپس میں بھائی ہیں، جو بڑا بزرگ ہے وہ بڑا بھائی ہے، سو اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجئے اور مالک سب کا اللہ ہے، بندگی اس کو چاہیئے ——

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولیاء و انبیاء، امام و امام زادہ، پیر و شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں، اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی، مگر ان کو اللہ نے بڑائی دی، وہ بڑے بھائی ہوئے ہم کو ان کی فرماں برداری کا حکم ہے، ہم ان کے چھوٹے ہیں سو انکی تعظیم انسانوں کی سی کرنی چاہیئے نہ خدا کی سی (تقویۃ الایمان صـ۴۸ و صـ۴۹ راشد کمپنی دیوبند)

اس عبارت میں شاہ اسماعیل شہیدؒ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی نہیں کہا۔ بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اَکْرِمُوْا اَخَاکُمْ (اپنے بھائی کی تعظیم کرو)

شاہ صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ تمام انسان نفس انسانیت و بشریت میں چونکہ شریک ہیں اس لئے تمام انسان آپس میں بھائی ہیں۔ اور جو انسانوں میں بڑا بزرگ ہے، وہ انسانی ناطے اور بشری اخوت کے اعتبار سے بڑا بھائی ہے، اس لئے اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کرنی چاہیئے، یعنی بڑے سے بڑے انسان کی بھی ایسی تعظیم کرنی چاہیئے جو انسانی تعظیم کے دائرہ میں ہو۔ اس کی ایسی تعظیم نہیں کرنی چاہیئے جو خدائی تعظیم کے مشابہ ہو۔

الحاصل شاہ شہیدؒ نے اس فائدہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی توجیہہ فرمائی ہے۔ آپؐ کو نسبی بھائی نہیں قرار دیا، بلکہ بشری اخوت کے اعتبار سے بھائی کہا ہے ——— لیکن رضاخانی شاہ شہیدؒ کی اس عبارت کا مطلب اپنے الفاظ میں پیش کرتے ہیں: اور انسانی بھائی کے بجائے نسبی بھائی مراد لیتے ہیں، اور لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ شاہ صاحب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ صرف نسبی بھائی جتنا تسلیم کرتے ہیں، حالانکہ یہ صریح بہتان ہے، شاہ صاحب کی عبارت کا یہ مطلب ہرگز نہیں، شاہ صاحب تو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑے سے بڑے انسانی بھائی کی سی تعظیم کیجئے، مگر خدا کی سی تعظیم نہ کیجئے۔

نیز ہر گفتگو کا ایک موقع اور محل ہوتا ہے، یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب و فضائل بیان کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی تعظیم و تکریم سے لوگوں کو روکنا مقصود ہے۔ جو انسانی تعظیم کے دائرہ سے بالاتر ہو، اس لئے یہاں شاہ صاحب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب و فضائل کو ذکر نہیں کیا، بلکہ پورا زور اس بات پر دیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی تعظیم نہیں کرنی چاہیئے جو خدائی تعظیم کے

مشابہ ہو، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ شاہ صاحب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مراتب و فضائل کا انکار کرتے ہیں۔ اور آپؐ کا مرتبہ صرف بڑے بھائی جتنا تسلیم کرتے ہیں۔ بلکہ آپ کا عقیدہ اس سلسلہ میں وہی ہے جو تمام اہل سنت والجماعت کا ہے، چنانچہ آپ تقویۃ الایمان کے صـ۵۲ پر ارقام فرماتے ہیں کہ،

"سو اسی طرح سے ہمارے پیغمبر سارے جہاں کے سردار ہیں کہ اللہ کے نزدیک ان کا رتبہ سب سے بڑا ہے"

اس تصریح کے بعد بھی یہ کہنا کہ شاہ اسماعیل شہیدؒ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ صرف بڑے بھائی جتنا تسلیم کرتے ہیں۔ سراسر بہتان اور صریح ظلم نہیں تو کیا ہے؟

دوسرا بہتان خاں صاحب بریلوی اور ان کے متبعین حضرت شاہ اسماعیل صاحب شہیدؒ پر دوسرا اعتراض یہ کرتے ہیں کہ شاہ صاحب نے "تقویۃ الایمان" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہ گستاخی کی ہے کہ آپؐ وفات پانے کے بعد قبر میں مٹی ہو گئے ہیں، حالانکہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ، اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام کے اجساد کو کھائے، اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ (حدیث)

خاں صاحب بریلوی "الکوکبۃ الشہابیہ" میں لکھتے ہیں کہ "تقویۃ الایمان صـ۶۰" حدیث تو یہ لکھی اَرَاَیْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِیْ اَکُنْتَ تَسْجُدُ لَہٗ خود ہی اس کا ترجمہ یوں کیا کہ "بھلا خیال تو کر جو تو گذرے میری قبر پر کیا سجدہ کرے تو اس کو؟ ــــــــ آگے گستاخی کی رگ اچھلی جھٹ آفت کی (ف) فائدہ لکھ کر یہ جڑ دیا یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں ــــــــ

اس کے حامی اس کے پیرو ایمان سے بتائیں یہ حدیث کے کس لفظ کا مطلب ہے، کہاں تو وہ لفظ حدیث کہ اگر تو میری قبر پر گذرے، کہاں یہ فائدہ خبیث کہ مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں، کیوں یہ کیسا کھلا ہوا افتراء ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ..... ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ" (الکوکبۃ الشہابیہ صـ۲۷)

پھر آگے اسی صفحہ میں لکھتے ہیں: وہابی صاحبو! تمہارے پیشوا نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں کیسی صریح گستاخی کی!!

جواب پہلے تقویۃ الایمان کی پوری عبارت دیکھئے!

اَخْرَجَ اَبُوْدَاؤُدَ عَنْ قَیْسِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ ترجمہ: مشکوٰۃ کے باب عشرۃ النساء میں لکھا

اَتَیْتُ الْحِیْرَۃَ فَرَاَیْتُھُمْ یَسْجُدُوْنَ لِمَرْزُبَانَ لَھُمْ فَقُلْتُ لِرَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَحَقُّ اَنْ یُّسْجَدَ لَہٗ فَاَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ اِنِّیْ اَتَیْتُ الْحِیْرَۃَ فَرَاَیْتُھُمْ یَسْجُدُوْنَ لِمَرْزُبَانَ لَھُمْ فَاَنْتَ اَحَقُّ اَنْ نَّسْجُدَ لَکَ، فَقَالَ لِیْ: اَرَاَیْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِیْ اَکُنْتَ تَسْجُدُ لَہٗ، فَقُلْتُ لَا فَقَالَ لَا تَفْعَلُوْا۔

(مشکوٰۃ شریف باب عشرۃ النساء ص۲۸۲ فصل ثالث)

ہے کہ ابوداؤد نے ذکر کیا کہ قیس بن سعدؓ نے نقل کیا کہ گیا میں ایک شہر میں جس کا نام "حیرہ" ہے، سو دیکھا میں نے وہاں کے لوگوں کو کہ سجدہ کرتے تھے اپنے راجہ کو، سو کہا میں نے البتہ پیغمبر خدا زیادہ لائق ہیں کہ سجدہ کیجئے ان کو، پھر آیا میں پیغمبر خدا کے پاس، پھر کہا میں نے کہ گیا تھا میں "حیرہ" میں سو دیکھا میں نے ان لوگوں کو کہ سجدہ کرتے ہیں اپنے راجہ کو سو تم بہت لائق ہو کہ سجدہ کریں ہم تم کو، تو فرمایا مجھکو بھلا خیال تو کر جو تو گذرے میری قبر پر کیا سجدہ کرے تو اس کو، کہا میں نے نہیں، فرمایا تو مت کرو۔

فائدہ یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں، تو کب سجدہ کے لائق ہوں، سجدہ تو اسی پاک ذات کو ہے کہ نہ مرے کبھی ——— اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ نہ کسی زندہ کو کیجئے نہ کسی مُردہ کو نہ کسی قبر کو کیجئے نہ کسی تھان کو کیوں کہ جو زندہ ہے سو ایک دن مرنے والا ہے، اور جو مر گیا سو کبھی زندہ تھا، اور بشریت کی قید میں گرفتار، پھر مر کر خدا نہیں بن گیا ہے، بندہ ہی بندہ ہے۔ (تقویۃ الایمان ص۴۹ و ص۵۰ راشد کمپنی دیوبند)

رضاخانیوں کے مذکورہ بالا اعتراض کا مدار شاہ صاحب کے اس جملہ پر ہے کہ "میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں"، حالانکہ اس جملہ کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر بھی مٹی ہو جائیگا۔ جس طرح اکثر مردوں کا جسم مٹی ہو جاتا ہے، بلکہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی وفات کے بعد مٹی میں مدفون ہونے والے ہیں، اور آپ کا جسم اطہر قبر کی مٹی سے متصل اور ملنے والا ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ وفات کے بعد زیرِ زمین روضۂ اقدس میں آرام فرماں ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم،

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ سے کسی نے تقویۃ الایمان کی مذکورہ بالا عبارت کے بارے میں استفسار کیا تھا۔ تو حضرت نے درج ذیل جواب ارقام فرمایا ہے

الجواب مٹی میں ملنے کے دو معنیٰ ہیں، ایک یہ کہ مٹی ہو کر زمین کے ساتھ خلط ہو جائے، جیسا کہ سب اشیاء زمین میں پڑ کر خاک ہو کر زمین بن جاتی ہیں، دوسرے: مٹی سے

ملاقی و متصل ہو جانا، یعنی مٹی سے مل جانا، تو یہاں مراد دوسرے معنیٰ ہیں، اور جسدِ انبیاء علیہم السلام کا خاک نہ ہونے کے مولانا مرحوم بھی قائل ہیں، چوں کہ مُردے کو چاروں طرف سے مٹی احاطہ کر لیتی ہے اور نیچے مُردے کی مٹی سے جسد مع کفن ملاحق ہوتا ہے، یہ مٹی میں ملنا اور مٹی سے ملنا کہلاتا ہے، کچھ اعتراض نہیں، واللہ اعلم۔ رشید احمد عفی عنہ (فتاویٰ رشیدیہ صـ۹ جلد ۱)

تیسرا بہتان

رضاخانیوں نے شاہ صاحب پر تیسرا صریح بہتان یہ باندھا ہے کہ شاہ صاحب نے تقویۃ الایمان میں حضراتِ انبیاء کرام اور اولیائے عظام کو "چوہڑے چمار" کہا ہے اس میں انبیاء کرام اور اولیائے عظام کی کھلی توہین ہے، خاں صاحب بریلوی "الکوکبۃ الشہابیہ" میں لکھتے ہیں۔

تقویۃ الایمان، پہلی فصل میں اس دعوے کا کہ انبیاء و اولیاء کو پکارنا شرک ہے، ثبوت سنئے! صـ۱۹ ہمارا جب خالق اللہ ہے، اور اس نے ہم کو پیدا کیا، تو ہم کو بھی چاہیئے کہ اپنے تمام کاموں پر اسی کو پکاریں، اور کسی سے ہم کو کیا کام؟ جیسے جو کوئی ایک بادشاہ کا غلام ہو چکا تو وہ اپنے ہر کام کا علاقہ اسی سے رکھتا ہے دوسرے بادشاہ سے بھی نہیں رکھتا، اور کسی چوہڑے چمار کا تو ذکر کیا ہے؟!

مسلمانو! ایمان سے کہنا حضراتِ انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نسبت ایسے ناپاک ملعون الفاظ کسی ایسے کی زبان سے نکل سکتے ہیں جس کے دل میں رائی برابر ایمان ہو! (صـ۲۹)

جواب

تقویۃ الایمان کی جس عبارت کی بنا پر یہ بہتان باندھا گیا ہے وہ درجہ ذیل ہے۔

اَخْرَجَ الشَّیْخَانِ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اَیُّ الذَّنْبِ اَکْبَرُ عِنْدَ اللّٰہِ؟ قَالَ اَنْ تَدْعُوَ اللّٰہَ نِدًّا وَّھُوَ خَلَقَکَ۔
(مشکوٰۃ شریف باب الکبائر صـ۱۶)

ترجمہ:۔ مشکوٰۃ کے باب الکبائر میں لکھا ہے کہ بخاری و مسلم نے ذکر کیا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نقل کیا کہ ایک شخص نے کہا! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کون سا گناہ بہت بڑا ہے اللہ کے نزدیک؟ فرمایا یہ کہ پکارے تو کسی کو اللہ کی طرح کا ٹھہرا کر اور حالانکہ اللہ ہی نے تجھکو پیدا کیا۔

فائدہ

یعنی جیسے کہ اللہ کو سمجھتے ہیں کہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اور سب کام اس کے اختیار میں ہیں۔ سو ہر مشکل کے وقت یہی سمجھ کر اس کو پکارتے ہیں۔ سو کسی اور کو اس طرح سمجھ کر پکارنا نہ چاہیئے کہ یہ سب سے بڑا گناہ ہے، اول تو یہ کہ یہ بات خود غلط ہے

کہ کسی کو کچھ حاجت برلانے کی طاقت ہووے، یا ہر جگہ حاضر و ناظر ہو، دوسرے یہ کہ ہمارا جب خالق اللہ ہے، اور اس نے ہم کو پیدا کیا تو ہم کو بھی چاہیئے کہ اپنے تمام کاموں پر اسی کو پکاریں، اور کسی سے ہم کو کیا کام؟ ——— جیسے جو کوئی ایک بادشاہ کا غلام ہو چکا تو وہ اپنے ہر کام کا علاقہ اسی سے رکھتا ہے، دوسرے بادشاہ سے نہیں رکھتا، اور کسی چوہڑے چمار کا تو ذکر کیا ہے۔

(تقویۃ الایمان ص۱۴ راشد کمپنی دیوبند)

اس عبارت کو غور سے دیکھئے! پوری عبارت میں کہیں شاہ صاحب نے حضرات انبیاء و اولیاء کا نام نہیں لیا ہے، وہ تو ایک عام بات کہہ رہے ہیں، اور عام الفاظ استعمال کر رہے ہیں کہ "کسی اور کو اس طرح سمجھ کر پکارنا نہ چاہیئے کہ یہ سب سے بڑا گناہ ہے، اور اپنے تمام کاموں پر اسی کو پکاریں، اور کسی سے ہم کو کیا کام؟" ——— اور اخیر میں شاہ صاحب نے یہ جو فرمایا ہے کہ "کسی چوہڑے چمار کا تو ذکر کیا ہے" اس کا تعلق ممثل لہ سے نہیں ہے، بلکہ مثال سے ہے، اور مثال کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص ایک بادشاہ کا غلام ہو چکا وہ اپنے تمام کاموں میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہے، اس کے سوا کسی سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، حتیٰ کہ دوسرے بادشاہ سے بھی تعلق نہیں رکھتا، پس کسی چوہڑے چمار سے وہ غلام کیا تعلق رکھے گا۔

——— اس مثال سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ شاہ صاحب نے معاذ اللہ! حضرات انبیاء و اولیاء کو چوہڑے چمار کہا ہے، ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ کا مصداق ہے ——— اس افتراء کی اصل وجہ یہ ہے کہ رضاخانی انبیائے کرام اور اولیائے عظام کو حاضر و ناظر اور حاجت روا سمجھ کر پکارتے ہیں، اور شاہ صاحب نے اس فائدہ میں اللہ کے سوا کسی ہستی کو حاضر و ناظر اور حاجت روا سمجھ کر پکارنے کو سب سے بڑا گناہ کہا ہے، اور متفق علیہ حدیث کے حوالہ سے شاہ صاحب نے یہ بات لکھی ہے۔ رضاخانی قیامت تک اس کا توڑ نہیں کر سکتے، اس لئے انھوں نے پینترا بدل کر حملہ کیا، اور شاہ صاحب پر یہ الزام لگایا کہ، معاذ اللہ! انھوں نے تقویۃ الایمان میں حضراتِ انبیاء و اولیاء کو چوہڑے چمار کہا ہے تاکہ لوگ شاہ صاحب سے بدظن ہو جائیں، اور تقویۃ الایمان کو نہ پڑھیں۔

رہا خاں صاحب بریلوی کا یہ خیال کہ شاہ صاحب نے یہ مثال چوں کہ اس دعوے کے ثبوت میں پیش کی ہے کہ انبیاء و اولیاء کو پکارنا شرک ہے اسلئے کسی چوہڑے چمار سے مراد معاذ اللہ! حضراتِ انبیاء و اولیاء ہی ہیں تو یہ بالکل بے بنیاد خیال ہے، اگر اس طرح

عموم کو خصوص کے قالب میں ڈھال کر توہین انبیار کو ثابت کرنا درست ہو تو پھر معاذ اللہ! ارشاد خداوندی اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا (بلاشبہ انسان بڑا ظالم اور جاہل تھا) سے بھی توہین انبیار کو ثابت کیا جاسکتا ہے۔

ایک اہم ضابطہ یہاں پر یہ ضابطہ یاد رکھنا چاہیئے کہ بسا اوقات عموم و اجمال کا حکم اور ہوتا ہے، اور خصوص و تفصیل کا حکم دوسرا ہوتا ہے، اجمالی اور عمومی حکم درست ہوتا ہے، مگر تفصیلی اور خصوصی حکم حرام اور ناجائز ہوتا ہے، چنانچہ علم کلام کی مشہور و معروف کتاب "مُسامرہ" میں ہے۔

وَمَاذَكَرْنَاهُ مِنْ صِحَّةِ الْاِطْلَاقِ اِجْمَالًا لَا تَفْصِيْلًا كَمَا يَصِحُّ بِالْاِجْمَاعِ وَالنَّصِّ اَنْ يُقَالَ: اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ، وَلَا يَصِحُّ اَنْ يُقَالَ خَالِقُ الْقَاذُوْرَاتِ وَخَالِقُ الْقِرَدَةِ وَالْخَنَازِيْرِ مَعَ كَوْنِهَا مَخْلُوْقَةً لَهٗ اِلْقَاءً وَكَمَا يُقَالُ: لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَيْ مَالِكُهُمَا، وَلَا يُقَالُ: لَهُ الزَّوْجَاتُ وَالْاَوْلَادُ لِاِيْهَامِهٖ اِضَافَةَ غَيْرِ الْمِلْكِ اِلَيْهِ (مسامرہ صـ۱۲۰ مصری)

ترجمہ:۔ جو بات ہم نے ذکر کی اجمالاً یہ کہنا (کہ تمام کائنات اللہ کی مراد ہے) صحیح ہے لیکن تفصیلاً (یہ کہنا کہ کفر و ظلم اور فسق و فجور اللہ کی مراد ہے) صحیح نہیں ہے جیسے اجماعِ امت اور نص قرآنی کی بنا پر یہ کہنا صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے پیدا کرنے والے ہیں، لیکن (تفصیلاً) یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ گندگیوں، بندروں، اور خنزیروں کے پیدا کرنے والے ہیں حالانکہ بالاتفاق یہ چیزیں بھی اسی کی پیدا کردہ ہیں، اور جیسے یہ کہا جاتا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اس کے لئے ہے، یعنی وہ ان کا مالک ہے لیکن یہ نہیں کہا جاتا کہ اس کے لئے بیویاں اور اولاد ہے۔ کیوں کہ اس میں غیر ملک (یعنی زوجیت اور ابنیت) کی اس کی طرف نسبت کرنے کا وہم پیدا ہوتا ہے۔

الحاصل بسا اوقات اجمال و ابہام کا حکم تفصیل و تفسیر کے حکم سے متفاوت ہوتا ہے اس لئے اجمال کی اپنی طرف سے تفصیل کر کے دوسروں پر حضراتِ انبیار و اولیار کی توہین کا الزام لگانا اور عوام کو ان سے متنفر کرنا سراسر ظلم اور بددیانتی ہے۔

چوتھا بہتان اسی سے ملتا جلتا ایک بہتان شاہ اسماعیل شہیدؒ پر یہ باندھا گیا ہے کہ شاہ صاحب نے تقویۃ الایمان میں تمام انبیار و اولیار کو چمار سے بھی زیادہ ذلیل کہا ہے یہ توہین انبیار کی بدترین مثال ہے، مولوی محمد عمر صاحب "مقیاس حنفیت" میں لکھتے

ہیں کہ "دیوبندی وہابیوں کے نزدیک بقانونِ مذکورہ عین اسلام یہ ہے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اور بڑے چھوٹے کی شرح تقویۃ الایمان صـ۶۸ پر اولیاء و انبیاء سے تعبیر کی ہے، اور وہاں بڑے بھائی کا مرتبہ دیا اور یہاں انبیاء و اولیاء کو چمار سے بھی زیادہ ذلیل کہہ دیا، معاذ اللہ! تم معاذ اللہ ابقیاس حنیف

جواب شاہ اسماعیل شہیدؒ نے ہرگز یہ نہیں کہا ہے، یہ بہتان رضاخانیوں کے گستاخ تخیل نے گھڑا ہے تقویۃ الایمان کی عبارت دیکھئے۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:۔ وَاِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِہٖ وَ ھُوَ یَعِظُہٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ، اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ! (سورۂ لقمان آیت ۱۳)

ترجمہ:۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے یعنی سورۂ لقمان میں جب کہا لقمان نے اپنے بیٹے کو، اور وہ نصیحت کرتا تھا اس کو ــــ اے بیٹے میرے! مت شریک بنا اللہ کا، بیشک شریک بنانا بڑی بے انصافی ہے۔

فائدہ یعنی اللہ تعالیٰ نے لقمان کو عقلمندی دی تھی، سو انھوں نے اس سے سمجھا کہ بے انصافی یہی ہے کہ کسی کا حق اور کسی کو پکڑا دینا، اور جس نے اللہ کا حق اس کی مخلوق کو دیا تو بڑے سے بڑے کا حق لیکر ذلیل سے ذلیل کو دے دیا، جیسے بادشاہ کا تاج ایک چمار کے سر پر رکھ دیجئے اس سے بڑی بے انصافی کیا ہوگی۔ اور یہ یقین جان لینا چاہئے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے، (تقویۃ الایمان صـ۱۱ راشد کمپنی دیوبند)

اس عبارت سے انبیاء و اولیاء کی تحقیر و توہین ہرگز مقصود نہیں، بلکہ شرک کی قباحت و شناعت کو واضح کرنا ہے، اور خالق ارض و سمار کے سامنے ساری مخلوق کی جو حیثیت ہے اسکو اُجاگر کرنا ہے کہ جس طرح بادشاہ کے سامنے چمار بے بس اور مجبور و لاچار ہوتا ہے۔ اس سے کہیں زیادہ ساری مخلوق اللہ جل شانہٗ کے سامنے عاجز و بے بس اور مجبور و لاچار ہے، کیونکہ بادشاہ اور چمار نفس انسانیت میں تو شریک ہیں، لیکن خالق اور مخلوق کے درمیان تو کسی بات میں اشتراک نہیں ــــــــ الغرض شاہ صاحب کسی نبی یا ولی کا نام لئے بغیر ایک عام بات بیان فرما رہے ہیں۔ اس عموم کو خصوص کے قالب میں ڈھال کر توہین انبیاء کو ثابت کرنا رضاخانیوں کے گستاخ تخیل کا نتیجہ ہے۔ اگر اسی طرح عموم کو خصوص کے قالب میں ڈھال کر توہین انبیاء کو ثابت کرنا درست ہو تو شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (متوفی ۶۳۲ھ) کے بارے میں آپ کیا فتویٰ صادر فرمائیں گے جنھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے یہ بات لکھی ہے کہ:

بَلَغَنَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے

اَنَّہٗ قَالَ: لَا یَکْمُلُ اِیْمَانُ الْمَرْءِ حَتّٰی یَکُوْنَ النَّاسُ عِنْدَہٗ کَالْاَبَاعِرِ (عوارف المعارف علیٰ ھامش احیاء العلوم ص۳۳۲ ج ۴)

کہ آپؐ نے فرمایا: آدمی کا ایمان کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ تمام لوگ اس کے نزدیک مینگنیوں کی طرح نہ ہوجائیں۔

پانچواں بہتان

حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ پر پانچواں بہتان رضاخانیوں نے یہ باندھا ہے کہ شاہ صاحب نے "صراط مستقیم" میں لکھا ہے کہ نماز میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خیال لے جانا ظلمت بالائے ظلمت ہے، کسی فاحشہ رنڈی کے تصور اور اس کے ساتھ زنا کا خیال کرنے سے بھی بُرا ہے، اپنے بیل یا گدھے کے تصور میں ہمہ تن ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر ہے۔ خاں صاحب بریلوی در صراط مستقیم کی فارسی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

"مسلمانو! مسلمانو! خدارا ان ناپاک ملعونی شیطانی کلموں کو غور کرو! محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نماز میں خیال لیجانا ظلمت بالائے ظلمت ہے، کسی فاحشہ رنڈی کے تصور اور اس کے ساتھ زنا کا خیال کرنے سے بھی بُرا ہے، اپنے بیل یا گدھے کے تصور میں ہمہ تن ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر ہے۔ ہاں واقعی رنڈی نے تو دل نہ دُکھایا، گدھے نے تو اندرونی صدمہ نہ پہنچایا۔ نیچا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دِکھایا کہ قرآن عظیم میں وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ پڑھ کر تازی نبوتوں کا دربار جلایا، ان کا خیال آنا کیوں نہ قہر ہو، ان کی طرف سے دل میں کیوں نہ زہر ہو، مسلمانو! للہ انصاف! کیا ایسا کلمہ کسی اسلامی زبان سے نکلنے کا ہے، حاش للہ!

(الکوکبۃ الشہابیہ ص۲۹/۳۰)

تمہید جواب

پہلے تمہید کے طور پر چند باتیں عرض کی جاتی ہیں بعد میں صراطِ مستقیم کی عبارت کا مطلب بیان کیا جائے گا، اور مذکورہ بہتان کا جواب دیا جائیگا۔

(۱) "صراطِ مستقیم" اصل فارسی میں ہے، اور حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رح کی تالیف و تصنیف نہیں ہے، بلکہ ان کے شیخ حضرت سید احمد شہید صاحب رائے بریلوی کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جس کو شاہ اسماعیل شہیدؒ نے مرتب فرمایا ہے، اس لئے شاہ صاحب اس کے مصنف نہیں بلکہ جامع اور مرتب ہیں، کتاب کے سرورق پر اس کی تصریح موجود ہے۔

(۲) "صراطِ مستقیم" میں حضرت سید احمد شہیدؒ کے سارے ملفوظات حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ ہی کے جمع کردہ نہیں ہیں، بلکہ ان میں سے کچھ ملفوظات شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

کے داماد حضرت مولانا عبدالحیؒ صاحب کے جمع کردہ ہیں، ترتیب کے وقت شاہ صاحب نے ان کو کتاب کے دوسرے اور تیسرے باب میں بعینہ درج کر دیا ہے اصل کتاب میں اس کی تصریح موجود ہے۔

(۳) "صراط مستقیم" کی جس عبارت کی بناپر شاہ اسماعیل شہیدؒ پر بے بنیاد الزام لگایا جاتا ہے، وہ باب دوم کی ہے، جو فارسی نسخہ کے صـ۴۳ سے شروع ہو کر صـ۱۰۲ پر ختم ہوتا ہے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ باب دوم کی یہ عبارت ان اوراق کی ہو جن کو حضرت مولانا عبدالحیؒ صاحب نے قلم بند کیا تھا۔ ایسی صورت میں علی التعیین یقین کے ساتھ اس کو شاہ شہیدؒ کی طرف منسوب کرنا اور اس عبارت کو قطعی طور پر ان کے کفریات میں شمار کرنا سراسر ظلم ہے، اگر اس عبارت میں کوئی توہین کی بات ہے تو پہلے حضرت سیّد احمد شہید صاحب رائے بریلویؒ کو کافر قرار دینا چاہیئے کیوں کہ ملفوظات تو ان کے ہیں، اور اگر جامع ہونے کی وجہ سے کافر قرار دینا ہے تو حضرت مولانا عبدالحیؒ صاحب کے کافر ہونے کا بھی احتمال ہے کہ شاید یہ عبارت ان اوراق کی ہو جو انھوں نے جمع کئے ہیں، لیکن عموماً اہل بدعت اسی عبارت کی وجہ سے صرف حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کو کافر کہتے ہیں ——— یہ عجیب ماجرا ہے کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔

(۴) تصوّف کے بعض سلسلوں میں سالک کی تربیت کا ایک طریقہ رائج ہے جس کو "صرف ہمت" کہا جاتا ہے، یہ صوفیہ کی خاص اصطلاح ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ سالک کی توجہ کو یکسو کرنے کے لئے یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ مراقبہ میں پوری عظمت و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے شیخ کا تصور کرے یعنی تمام خیالات سے اپنے دل کو خالی کر کے دل میں شیخ کی صورت کو جمائے اور اسی کا دھیان باندھے گویا وہ حاضر ہے ——— اور کبھی یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ اسی طرح مراقبہ میں سالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تصوّر کرے، اور اپنے دل کو ہر قسم کے خیالات وخطرات سے خالی کر کے دل میں رسول اللہ کا دھیان باندھے حتیٰ کہ اس وقت دل میں اللہ کا بھی دھیان نہ ہو تاکہ پوری یکسوئی اور دلجمعی حاصل ہو ——— اس کو صوفیہ کی اصطلاح میں "شغل برزخ" بھی کہا جاتا ہے۔ اور خود "صراط مستقیم" میں اس کی وضاحت اس طرح کیگئی ہے

فائدہ اشغالِ مبتدعہ میں سے "شغل برزخ" بھی ہے جو کہ اکثر متأخرین میں مشہور ہو گیا ہے۔ ..... اور شغل مذکور کی صورت یہ ہے کہ وسوسوں کو دور کرنے اور ارادے جمع ہونے کے لئے پوری تعیین اور تشخیص کے ساتھ شیخ کی صورت کو خیال میں

حاضر کرتے ہیں، اور خود بہ نہایت ادب اور تعظیم اپنی پوری ہمت سے اس صورت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، گویا بڑے ادب اور تعظیم کے ساتھ شیخ کے سامنے بیٹھے ہیں، اور دل کو اسی کی طرف متوجہ کر لیتے ہیں (صراط مستقیم مترجم ص ۱۳۴ و ۱۳۵، صراط مستقیم فارسی ص ۱۱۸)

(۵) فارسی محاورے میں متاعِ دنیا کو "گاؤ خر" سے تعبیر کرتے ہیں، فارسی کا مشہور شعر ہے،

بر زباں تسبیح و در دل گاؤ خر — ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

(زباں پر تسبیح اور دل میں گاؤ خر — ایسی تسبیح سے کیا فائدہ ؟!)

ظاہر ہے کہ اس شعر میں گاؤ خر سے صرف گدھا اور بیل مراد نہیں بلکہ تمام وہ چیزیں مراد ہیں جو انسان کو خدا سے غافل کرنے والی ہیں، گاؤ خر کے یہ معنی خود "صراطِ مستقیم" میں بیان کئے گئے ہیں، گاؤ خر تمثیل است ہر چہ سوائے حضورِ حق است، گاؤ باشد یا خر، فیل باشد یا شتر، (صراطِ مستقیم ص ۸۵)

جواب ان تمہیدی باتوں کے بعد جاننا چاہئے کہ "صراطِ مستقیم" میں یہ نہیں ہے کہ نماز میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خیال لے جانا، بیل اور گدھے کے تصور میں ہمہ تن ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر ہے ——— صراطِ مستقیم کی عبارت غور سے پڑھئے

اگر بمقتضائے ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ از وسوسۂ زنا خیالِ مجامعتِ زوجۂ خود بہتر است ——— و صرف ہمت بسوئے شیخ و امثالِ آں از معظمین گو جناب رسالت مآب باشند بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق در صورت گاؤ خر خود است کہ خیالِ آں با تعظیم و اجلال بسویدائے دلِ انسان می چسپد، بخلاف خیالِ گاؤ خر کہ نہ آں قدر چسپیدگی می بود و نہ تعظیم، بلکہ ہمان محقر می بود، و ایں تعظیم و اجلال غیر کہ در نماز ملحوظ و مقصود می شود بشرک می کشد، (صراطِ مستقیم ص ۸۶)

ہاں بمقتضائے ظلمات بعضہا فوق بعض (اوپر تلے بہت سے اندھیرے ہیں) زنا کے وسوسے سے اپنی بیوی کی مجامعت کا خیال بہتر ہے ——— اور شیخ یا اسی جیسے بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہوں صرف ہمت کرنا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے بدرجہا بدتر ہے، کیونکہ شیخ کا خیال تو تعظیم و تکریم کے ساتھ انسان کے دل کی گہرائی میں پیوست ہو جاتا ہے، اور بیل اور گدھے کے خیال کو نہ اس قدر چسپیدگی (تعلق اور لگاؤ) ہوتی ہے اور نہ تعظیم، بلکہ وہ خیال حقیر اور ذلیل ہوتا ہے اور غیر اللہ کی یہ تعظیم و تکریم جو نماز میں ملحوظ و مقصود ہوتی ہے شرک کی طرف کھینچ کر لیجاتی ہے۔

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے دھیان کو ہٹا کر کسی اور چیز کی طرف لے جانا بُرا ہے۔ کیوں کہ ہیئاتِ نماز میں جو خشوع وخضوع اور توجہ الی اللہ مطلوب ہے اس کے منافی ہے، لیکن تمام وساوس اور خیالات کا حکم یکساں نہیں ہے، بلکہ بعض وساوس بعض سے زیادہ بُرے ہیں، مثلاً اپنی بیوی کے ساتھ جماع کا خیال اتنا بُرا نہیں جتنا زنا کا خیال بُرا ہے ——————

اسی طرح نماز میں اپنے شیخ یا کسی بزرگ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صرف ہمت کرنا یعنی اپنے دل کو تمام خیالات حتیٰ کہ توجہ الی اللہ سے بھی قصداً خالی کر کے شیخ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہمہ تن متوجہ کرنا اور اسی کو مرکز توجہ بنانا، یہ زیادہ برا ہے، دنیوی وساوس میں مستغرق ہونے سے کیوں کہ دنیوی وساوس قصد واختیار سے نہیں لائے جاتے بلکہ خود بخود آجاتے ہیں اور نمازی کو اُن سے ایسی دلچسپی نہیں ہوتی جو مفضی الی التعظیم ہو، بلکہ ان کی حقارت پیش نظر رہتی ہے، اسی لئے جب نمازی کو اس کا خیال آتا ہے تو تمام وساوس کو دل سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے اور خشوع وخضوع پیدا کرلیتا ہے، برخلاف، "صرف ہمت" کے کہ اس میں بالقصد اپنی توجہ کا مرکز شیخ یا رسولِ خدا کو بنایا جاتا ہے اور ان کے تصوّر کے سوا ہر خیال کو حتیٰ کہ اللہ جل شانہ کے خیال کو بھی دل سے نکال کر شیخ یا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خیالی صورت کو تعظیم و تکریم کے ساتھ ملحوظ ومقصود بنایا جاتا ہے۔ اس لئے نمازی توجہ الی اللہ سے محروم ہوجاتا ہے، اور اس کی تعظیم وتکریم یعنی قیام رکوع اور سجدہ وغیرہ سب غیر اللہ کے لئے ہوجاتا ہے، اور ایسی تعظیم وتکریم انسان کو شرک کی طرف کھینچ کر لیجاتی ہے۔ اسی لئے "صرف ہمت" کو دنیوی وساوس سے بدرجہا بدتر کہا گیا ہے، فَافْهَمْ وَتَدَبَّرْ!!

لیکن صرف ہمت اور شغل بر رزخ کے بغیر نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آجائے یا التحیات اور درود شریف پڑھتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خیال چلا جائے، اس طرح پر کہ توجہ الی اللہ میں کوئی خلل واقع نہ ہو تو اس کی نماز نہ صرف کامل بلکہ اکمل ہوگی، خود "صراطِ مستقیم" میں اس مقام پر تصریح ہے کہ اگر حالتِ نماز میں ملائکہ اور انبیاء واولیاء کی ارواح کا انکشاف ہوجائے تو وہ قبیح اور مذموم نہیں ہے، بلکہ خدا تعالیٰ کا جلیل القدر انعام ہے، جو اللہ کے مخصوص بندوں کو عطا کیا جاتا ہے، صراطِ مستقیم میں ہے۔

نباید دانست کہ سنوح مسائل غریبہ وکشف ارواح وملائکہ در نماز قبیح است، بلکہ توجہ بحق

یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ غریب مسائل کا سمجھ میں آجانا اور ارواح وفرشتوں کا کشف نماز میں بُرا ہے،

وقصد این کار در طویت وامتزاج این مدعا در نیت، مخالف خلوص مخلصان است، و اما سنوح وکشف مذکورین پس از قبیل خلعتہائے فاخرہ است کہ مخلصان مستغرق حضور حق را بسبب وفور عنایتہا باں می نوازند، پس در حق ایشاں کمالے است کہ در موطن مثال مجسم گردیدہ، و نماز ایشاں عبادتے ست کہ ثمرہ اش بمنظر رسیدہ، (صراط مستقیم ص۸۵)

بلکہ اپنی ہمت کو اس کی طرف متوجہ کرنا، اور دل میں اس کام کا ارادہ کرنا، اور نیت میں اس مقصد کو ملا دینا مخلص لوگوں کے اخلاص کے مخالف ہے اور خود بخود مسائل کا دل میں آجانا اور ارواح اور فرشتوں کا کشف ان فاخرہ نعمتوں میں سے ہے جو حضور حق میں مستغرق حضرات کو نہایت مہربانیوں کی وجہ سے نوازا جاتا ہے پس یہ ان کے حق میں ایسا کمال ہے جو کہ عالم مثال میں مجسم ہو گیا ہے اور ان کی نماز ایسی عبادت ہے کہ اس کا ثمرہ ان کی آنکھوں کے سامنے آگیا ہے

حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کے پر مہتان

آپ کا اسم گرامی محمد قاسم، والد بزرگوار کا نام اسد علی جد امجد کا نام غلام شاہ ہے اور تاریخی نام "خورشید حسین" ہے، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، شعبان یا رمضان ۱۲۴۸ھ میں قصبہ "نانوتہ" میں پیدا ہوئے جو دیوبند سے بارہ کوس مغرب میں واقع ہے، محرم الحرام ۱۲۸۳ھ میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ڈالی جو آج ایشیا کا عظیم ترین دینی ادارہ ہے، ۴ر جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ جمعرات کے دن بعد نماز ظہر انتقال فرمایا، دارالعلوم دیوبند سے متصل "مزار قاسمی" میں مدفون ہیں۔

پہلا پرمہتان

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ پر رضاخانیوں نے یہ پرمہتان باندھا ہے کہ حضرت نانوتوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم زمانی ہونیکے منکر ہیں، اور یہ فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پچھلے نبی نہیں ہیں، آپ کے بعد بھی دوسرے نبی کا آنا ممکن ہے ——— حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم زمانی ہونا ضروریاتِ دین میں سے ہے، لہٰذا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پچھلا نبی نہ جانے وہ مسلمان نہیں، خاں صاحب بریلوی "حسام الحرمین" میں لکھتے ہیں کہ:

"اور قاسمیہ، قاسم نانوتوی کی طرف منسوب جس کی "تحذیر الناس" ہے، اور اس نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے "بلکہ بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔ بلکہ بالفرض اگر بعد زمانۂ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا، عوام کے خیال میں تو رسول اللہ کا خاتم ہونا بایں معنیٰ ہے کہ آپ سب میں آخر نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں ——— حالانکہ فتاویٰ تمۃ اور الاشباہ والنظائر وغیرہما میں تصریح فرمائی کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پچھلا نبی نہ جانے تو مسلمان نہیں، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا آخر الانبیاء ہونا، سب انبیاء سے زمانہ میں پچھلا ہونا ضروریاتِ دین سے ہے، اور یہ وہی نانوتوی ہے، جسے

محمد علی کانپوری[1] ناظم ندوہ نے حکیم امتِ محمدیہ کا لقب دیا ہے، پاکی ہے اسے جو دلوں اور آنکھوں کو پلٹ دیتا ہے، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم،، (حسام الحرمین صـ۱۳)

تمہیدِ جواب جواب سے پہلے چند باتیں تمہید کے طور پر جان لینی چاہئیں، تاکہ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کی عبارتوں کے سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے،

① سب سے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ ،، تحذیر الناس،، کا موضوع کیا ہے؟ ——————

تحذیر الناس کا موضوع یہ ہے کہ قرآن کریم میں سورۂ طلاق میں ارشاد خداوندی ہے اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَھُنَّ یعنی اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کی طرح سات زمینیں پیدا فرمائی ہیں، اس ارشادِ خداوندی کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کا ایک اثر مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کی طرح سات زمینیں پیدا فرمائی ہیں اور ہر زمین میں مخلوق ہے، اور آدم ہیں تمہارے آدم کی طرح، نوح ہیں تمہارے نوح کی طرح، ابراہیم ہیں تمہارے ابراہیم کی طرح، عیسیٰ ہیں تمہارے عیسیٰ کی طرح، اور محمد ہیں تمہارے محمد کی طرح (الدار المنثور صـ۲۳۸، جلد ۶)

یہ حضرت ابن عباسؓ کا اثر ہے، بعض لوگوں نے اس اثر کا یہ خیال کرتے ہوئے انکار کیا ہے کہ اگر اس زمین کے علاوہ دیگر زمینوں میں بھی محمد ہوں گے تو وہ بھی خاتم النبیین ہونگے جب کہ قرآن کہتا ہے کہ خاتم النبیین صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، لہٰذا یہ روایت غلط ہے، کسی نے اس سلسلہ میں حضرت نانوتوی قدس سرہٗ سے سوال کیا، تو حضرت نانوتویؒ نے اس کا جواب ارقام فرمایا، کتاب کا پورا نام،، فتوی تحذیر الناس من انکار اثر ابن عباسؓ،، ہے اس کتاب میں حضرت نانوتوی قدس سرہٗ نے حضرت ابن عباسؓ کے اثر کو صحیح مان کر نہایت وضاحت کے ساتھ یہ ثابت فرمایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف اس زمین کے انبیاء کے خاتم نہیں ہیں، بلکہ تمام زمینوں کے انبیاء کے خاتم ہیں۔

② حضرت نانوتوی قدس سرہٗ نے تحذیر الناس میں ختم نبوت کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں، ختم نبوت رتبی، ختم نبوت زمانی اور ختم نبوت مکانی، اور دلائل سے ثابت فرمایا ہے کہ آپؐ تینوں اعتبار سے خاتم النبیین ہیں۔

ختم نبوت رتبی کا مطلب یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم وصفِ نبوت کے ساتھ بالذات

---

[1] محمد علی کانپوری سے حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ مراد ہیں۔ ۱۲

متصف ہیں اور دیگر انبیائے کرام وصف نبوت کے ساتھ بالعرض متصف ہیں، یعنی آپؐ پر نبوت کے کمالات و مراتب تمام ہو گئے ہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مراتب کے اعتبار سے خاتم النبیین ہیں۔

ختم نبوت زمانی کا مطلب یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیائے کرام کے آخر میں تشریف لائے ہیں، آپؐ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئیگا، اس لئے آپؐ زمانہ کے اعتبار سے بھی خاتم النبیین ہیں۔

ختم نبوت مکانی کا مطلب یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سات زمینوں میں سے سب سے افضل اور اعلیٰ زمین میں تشریف لائے ہیں، اس کو حضرت نانوتویؒ نے تفصیل سے سمجھایا ہے، اس لئے آپؐ مکان یعنی زمینوں کے اعتبار سے بھی خاتم النبیین ہیں۔

(۲) وصف نبوت کے ساتھ بالذات اور بالعرض متصف ہونے کی وضاحت یہ ہے کہ دنیا میں جتنی چیزیں پائی جاتی ہیں، وہ دو طرح کی ہیں، ایک ذوات دوسری صفات جیسے کاغذ کی سفیدی میں سفیدی وصف ہے اور کاغذ ذات ہے، اسی طرح دنیا میں جتنے اوصاف پائے جاتے ہیں وہ بھی دو طرح کے ہیں، بالذات اور بالعرض مثلاً جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کی روشنی در و دیوار پر پڑتی ہے اور سورج کی طرح در و دیوار بھی روشن ہو جاتے ہیں، مگر در و دیوار کی روشنی بالعرض ہے اس لئے سورج کے غروب ہونے پر در و دیوار پر تاریکی چھا جاتی ہے، اور سورج کی روشنی ذاتی ہے اس لئے سورج ہر وقت چمکتا رہتا ہے ——— یہی حال تمام اوصاف کا ہے کہ جتنی صفات بالعرض ہوتی ہیں وہ کسی موصوف بالذات پر جا کر منتہی ہوتی ہیں۔ اور موصوف بالذات سے تجاوز نہیں کر سکتیں جیسے در و دیوار کی روشنی سورج کا فیض ہے، مگر سورج کی روشنی اس کی ذاتی ہے۔

اب دیکھئے! کہ نبوت کسی ذات کا نام نہیں ہے، بلکہ نبوت ایک وصف ہے اور نبی ذات مع الوصف کا نام ہے، یعنی نبی وہ شخصیت ہے جو وصف نبوت کے ساتھ متصف ہے، پھر مزید غور کیجئے! کہ سارے انبیاء جو تعداد میں ایک لاکھ سے زیادہ ہیں وہ وصف نبوت کے ساتھ بالذات متصف ہیں یا بالعرض؟ یا بعض بالذات اور بعض بالعرض؟ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ ان میں سے کوئی ایک نبی وصف نبوت کے ساتھ بالذات متصف ہے اور باقی سارے انبیاء وصف نبوت کے ساتھ بالعرض متصف ہیں، یہی مضمون خاتم النبیین میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی بنوت تو بالذات ہے اور دیگر انبیاء کرام کی بنوت آپؐ کی بنوت کا فیض ہے، جہاں جہاں آپؐ کا فیض پہنچا وہ وصف بنوت کے ساتھ متصف ہو گئے یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیائے کرام کی بنوت کا منبع اور سرچشمہ ہیں، آپؐ کی بنوت کے طفیل میں سارے انبیاء کی بنوت وجود میں آئی ہے، لہٰذا تمام انبیاء کی بنوت چاہے وہ رسول ہوں یا نبی ہوں خاتم النبیین کی بنوت کا فیض ہے ـــــــــ یہی آپؐ کا سب سے بڑا کمال ہے اور عام لوگ جو خاتم النبیین کا مطلب صرف یہ سمجھتے ہیں کہ آپؐ تمام انبیاء کے آخر میں تشریف لائے ہیں اور آپؐ صرف زمانہ کے اعتبار سے خاتم النبیین ہیں یہ صرف سرسری بات ہے، کیوں کہ زمانہ کے اعتبار سے آگے پیچھے ہونا کوئی کمال نہیں ہے حضرت نانوتوی کتاب کے آغاز میں تحریر فرماتے ہیں۔

"عوام کے خیال میں تو رسول اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنیٰ ہے کہ آپؐ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپؐ سب میں آخری نبی ہیں، مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں" (تحذیر الناس صـ۳) اور اسی صفحہ کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں

"بلکہ بنائے خاتمیت اور بات پر ہے جس سے تاخر زمانی اور سدِ باب مذکور خود بخود لازم آجاتا ہے، اور فضیلتِ بنوی دوبالا ہو جاتی ہے، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہو جاتا ہے جیسے موصوف بالعرض کا وصف موصوف بالذات سے مکتسب ہوتا ہے، موصوف بالذات کا وصف ـــــ جس کا ذاتی ہونا اور غیر مکتسب من الغیر ہونا لفظ بالذات ہی سے مفہوم ہے ـــــ کسی غیر سے مکتسب اور مستعار نہیں ہوتا، مثال درکار ہو تو لیجئے زمین و کہسار اور در و دیوار کا نور اگر آفتاب کا فیض ہے تو آفتاب کا نور کسی اور کا فیض نہیں" (تحذیر الناس صـ۴/۳)

پھر صـ۱۴ پر تحریر فرماتے ہیں کہ ـــــــــ اطلاق خاتم اس بات کو مقتضی ہے کہ تمام انبیاء کا سلسلۂ بنوت آپؐ پر ختم ہوتا ہے، جیسے انبیاء گذشتہ کا وصف بنوت میں حسب تقریر مسطور اس لفظ سے آپؐ کی طرف محتاج ہونا ثابت ہوتا ہے اور آپؐ کا اس وصف میں کسی کی طرف محتاج نہ ہونا، اس میں انبیاء گذشتہ ہوں یا کوئی اور اسی طرح اگر فرض کیجئے آپؐ کے زمانہ میں بھی اس زمین میں یا کسی اور زمین میں یا آسمان میں کوئی نبی ہو تو وہ بھی اس وصف بنوت میں آپؐ ہی کا محتاج ہوگا، اور اس کا سلسلۂ بنوت بہر طور آپؐ پر مختتم ہوگا، اور کیوں نہ ہو عمل کا سلسلہ علم پر ختم ہوتا ہے، جب علم ممکن للبشر ہی ختم ہو لیا تو پھر سلسلۂ علم و عمل کیا چلے! غرض اختتام اگر

بایں معنیٰ تجویز کیا جائے جو میں نے عرض کیا تو آپؐ کا خاتم ہونا انبیائے گذشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا بلکہ اگر بالفرض آپؐ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپؐ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے (تحذیر الناس صـ۱۴) _____ اس کے بعد صـ۲۸ پر ارقام فرماتے ہیں کہ۔

"اگر خاتمیت بمعنیٰ اتصافِ ذاتی بوصف بنوت لیجئے۔ جیسا کہ اس ہیچداں نے عرض کیا ہے۔ تو پھر سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی کو افرادِ مقصود بالخلق میں سے مماثل بنوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ سکتے، بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کے افرادِ خارجی ہی پر آپؐ کی افضلیت ثابت ہوگی افرادِ مقدرہ پر بھی آپؐ کی افضلیت ثابت ہو جائیگی، بلکہ اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا، چہ جائیکہ آپؐ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اسی زمین پر کوئی اور نبی تجویز کیا جائے"، (تحذیر الناس صـ۲۸)

(۴) حضرت نانوتوی قدس سرہ نے "تحذیر الناس" میں یہ مسئلہ بھی واضح فرمادیا ہے کہ ختم نبوت رُتبی کے لئے ختم نبوت زمانی لازم ہے، کیوں کہ جو ہستی وصف نبوت کے ساتھ بالذات متصف ہے اگر وہ تمام نبیوں سے پہلے آئے، یا ان کے درمیان میں آئے تو محذور لازم آئیگا _____ اور وہ محذور اور خرابی یہ ہے کہ خاتم النبیین کے بعد جو انبیاء آئیں گے، اگر ان کے پاس وحی نہ آئے اور ان کو نئے علوم سے نہ نوازا جائے تو وہ نبی نہیں ہوں گے، اور اگر ان انبیاء متاخرین کے پاس وحی تو آئے مگر اس میں علوم جدیدہ نہ ہوں تو وہ وحی تحصیل حاصل ہوگی، اور اگر ان کے پاس وحی آئے اور ان کو نئی شریعت اور نئے علوم سے نوازا جائے تو موصوف بالذات کی شریعت کا موصوف بالعرض کی شریعت سے منسوخ ہونا لازم آئیگا، حالانکہ ناسخ کے لئے منسوخ سے افضل ہونا، یا منسوخ کے مساوی ہونا ضروری ہے۔ مفضول افضل کے لئے ناسخ نہیں بن سکتا، خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ،

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا۔ (سورۂ بقرہ، آیت ۱۰۶)

ہم کسی آیت کا حکم جو موقوف کر دیتے ہیں یا اس آیت ہی کو (ذہنوں سے) فراموش کر دیتے ہیں، تو ہم اس آیت سے بہتر یا اس آیت ہی کے مثل لے آتے ہیں

اس آیت سے ثابت ہوا کہ ناسخ ہمیشہ منسوخ سے بہتر یا منسوخ کے مانند ہوتا ہے، پس اگر خاتم النبیین شروع میں تشریف لائیں یا درمیان میں آجائیں تو بعد میں آنیوالے نبیوں کی شریعت ان کی شریعت کو منسوخ کر دے گی، اور یہ بات ناممکن ہے، اسی لئے حضرت نے فرمایا ہے کہ

خاتم النبیین کے لئے سب سے آخر میں آنا ضروری ہے، اور ختم نبوت رتبی کے لئے تاخر زمانی لازم ہے
حضرت نانوتوی قدس سرّہ تحریر فرماتے ہیں کہ،

بالجملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصف نبوت میں موصوف بالذات ہیں، اور سوا آپؐ کے اور انبیاء موصوف بالعرض،، اس صورت میں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اول یا اوسط میں رکھئے تو انبیاء متاخرین کا دین اگر مخالف دین محمدی ہوتا، تو اعلیٰ کا ادنیٰ سے منسوخ ہونا لازم آتا، حالانکہ خود فرماتے ہیں، مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا، اور کیوں نہ ہو! یوں نہ ہو تو اعطاءِ دین منجملہ رحمت نہ رہے، آثارِ غضب میں سے ہو جائے، ہاں اگر یہ بات متصور ہوتی کہ اعلیٰ درجہ کے علماء کے علوم ادنیٰ درجہ کے علماء کے علوم سے کمتر اور ادوَن ہوتے ہیں تو مضائقہ بھی نہ تھا، پر سب جانتے ہیں کہ کسی عالم کا عالی مراتب ہونا علوم مراتب علوم پر موقوف ہے، یہ نہیں تو وہ بھی نہیں،

اور انبیاء متاخرین کا دین اگر مخالف نہ ہوتا تو یہ بات تو ضرور ہے کہ انبیاء متاخرین پر وحی آتی، اور افاضۂ علوم کیا جاتا، ورنہ نبوت کے پھر کیا معنیٰ؟ سو اس صورت میں اگر وہی علوم محمدی ہوتے تو بعد وعدۂ محکم اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کے جو بہ نسبت اس کتاب کے جس کو قرآن کہئے، اور بشہادت آیت وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ جامع العلوم ہے کیا ضرورت تھی؟ اور اگر علوم انبیاء متاخرین، علوم محمدی کے علاوہ ہوتے تو اس کتاب کا تبیانا لکلِّ شیئٍ ہونا غلط ہو جاتا،

بالجملہ جیسے ایسے نبی جامع العلوم کے لئے ایسی ہی کتاب جامع چاہئے تھی، تاکہ علوم مراتب نبوت جو لاجرم علوم مراتب علمی ہے، چنانچہ معروض ہو چکا۔ میسر آئے، ورنہ یہ علوم مراتب نبوت بیشک ایک قول دُر دروغ اور حکایت غلط ہوتی، ایسے ہی ختم نبوت بمعنیٰ معروض کو تاخر زمانی لازم ہے۔

(تحذیر الناس صـ۸)

جواب ان تمہیدی مقدمات کے بعد خاں صاحب بریلوی کے بہتان کا جواب سنئے!

خاں صاحب بریلوی نے "تحذیر الناس" کے مختلف صفحات کی عبارتیں آگے پیچھے کر کے پیش کی ہیں، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے ــــ اور لوگوں کو یہ باور کرانے کی مذموم سعی کی ہے کہ حضرت نانوتوی قدس سرّہٗ، معاذ اللہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم زمانی ہونے کے منکر ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پچھلے نبی نہیں ہیں، آپؐ کے بعد بھی نبی کا آنا ممکن ہے ــــــــ حالانکہ حضرت نانوتوی قدس سرّہٗ نے خود "تحذیر الناس"

میں تحریر فرمایا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پچھلے نبی ہیں، جو آپؐ کو سب سے پچھلا نبی نہ مانے وہ کافر ہے، حضرت نانوتوی قدس سرہ ارقام فرماتے ہیں۔

"اگر اطلاق اور عموم ہے تب تو ثبوت خاتمیت زمانی ظاہر ہے، ورنہ تسلیم لزوم خاتمیتِ زمانی بدلالت التزامی ضرور ہے، ادھر تصریحاتِ نبوی مثل اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰیؑ اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ، اَوْ کَمَا قَالَ جو بظاہر بطرزِ مذکور اسی لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے، اس باب میں کافی، کیوں کہ یہ مضمون درجۂ تواتر کو پہنچ گیا ہے، پھر اس پر اجماع بھی منعقد ہو گیا، گو الفاظ مذکور بسند متواتر منقول نہ ہوں، سو یہ عدم تواترِ الفاظ، باوجود تواترِ معنوی، یہاں ایسا ہی ہوگا جیسا تواتر اعداد رکعات فرائض و وتر وغیرہ، باوجودیکہ الفاظ احادیثِ مشعر تعدادِ رکعات متواتر نہیں، جیسا اس کا منکر کافر ہے، ایسا ہی اس کا منکر بھی کافر ہوگا" (تحذیر الناس ص۱)

اس عبارت میں حضرت نانوتوی قدس سرہٗ نے تین بلکہ چار دلیلوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم زمانی ہونا ثابت فرمایا ہے، اور یہ بھی صراحۃً لکھدیا ہے کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم زمانی ہونے کا منکر ہو وہ ایسا ہی کافر ہے، جیسا فرائض و وتر وغیرہ کی رکعات کی تعداد کا منکر کافر ہے چار دلیلوں کی وضاحت مندرجہ ذیل ہے۔

پہلی دلیل یہ ہے کہ "خاتم النبیین" میں جو لفظ خاتم ہے اس کو عام اور مطلق رکھئے، اور ختم نبوت کی تینوں قسموں میں سے کوئی خاص قسم مراد نہ لیجئے، تو ختم نبوت رُتبی، ختم نبوت زمانی، اور ختم نبوت مکانی تینوں طرح کی ختم نبوت آپؐ کے لئے قرآن کریم سے صراحۃً ثابت ہوں گی، حضرت "مناظر عجیبہ" میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"اگر خاتم کو مطلق رکھئے تو پھر خاتمیت مرتبی اور خاتمیت زمانی اور خاتمیت مکانی تینوں اس سے اسی طرح ثابت ہو جائیں گے، جس طرح آیت اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ میں لفظ "رجس" سے نجاستِ معنوی اور نجاستِ ظاہری دونوں ثابت ہوتی ہیں، اور اس ایک مفہوم کا انواعِ مختلفہ پر محمول ہونا ظاہر ہوتا ہے" (مناظر عجیبہ ص۲۷)

دوسری دلیل خاتم النبیین میں جو لفظ خاتم ہے اس سے صرف ختم نبوت رتبی مراد لیجئے، اس صورت میں بھی ختم نبوت زمانی دلالت التزامی کے طور پر ثابت ہوگی اور اس کو تسلیم کرنا ضروری ہوگا، کیوں کہ ختم نبوت رتبی کے لئے "تاخر زمانی لازم ہے اس کی تفصیل تمہید میں گذر چکی ہے۔

تیسری اور چوتھی دلیل

احادیث متواترہ اور اجماعِ امت سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ چکی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخری نبی ہیں، آپؐ کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں آئیگا، اس لئے اس کا منکر کافر ہے، اگرچہ احادیث کا تواتر لفظی نہیں معنوی ہے، مگر جب اس پر اجماع ہوچکا اور پوری امت کا اتفاق ہوچکا تو اب کسی کے لئے انکار کی گنجائش باقی نہ رہی،

الحاصل حضرت نانوتوی قدس سرّہٗ نے تحذیر الناس میں خاتمیت زمانی کا انکار نہیں کیا ہے بلکہ خاتمیت زمانی کے ساتھ خاتمیتِ رُتبی اور خاتمیت مکانی کو ثابت فرما کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کو بامِ عروج تک پہونچا دیا ہے، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، مناظرۂ عجیبہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ،

"حاصل مطلب یہ ہے کہ خاتمیت زمانی سے مجھکو انکار نہیں، بلکہ یوں کہیئے کہ منکروں کے لئے گنجائشِ انکار نہ چھوڑی، افضلیت کا اقرار ہے، بلکہ اقرار کرنے والوں کے پاؤں جما دیئے، اور نبیوں کی نبوت پر ایمان ہے، پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برابر کسی کو نہیں سمجھتا، یہی وجہ ہے کہ ان کو دربارۂ نبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفید کیا، ورنہ بروئے تحقیق سب برابر ہو جاتے، اور کسی کو کسی پر افضلیت نہ رہتی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کسی اور نبی کو ماننا پڑتا" (مناظرۂ عجیبہ صـ۵۰)

خاں صاحب کی خیانت

خاں صاحب بریلوی نے تحذیر الناس کے حوالہ سے حضرت نانوتوی قدس سرّہٗ کی جو عبارت "حسام الحرمین" میں نقل کی ہے، وہ تین الگ الگ صفحوں کی عبارتیں ہیں، جن کو آگے پیچھے کرکے خاں صاحب نے پیش کیا ہے، پہلا فقرہ صـ۱۴ کا ہے، دوسرا صـ۲۸ کا اور تیسرا صـ۳ کا ہے اور کوئی قرینہ ایسا نہیں جس سے کوئی دیکھنے والا یہ سمجھ سکے کہ یہ عبارت مختلف صفحوں کی ہے، یہ کتنی بڑی علمی خیانت ہے. اس کا اندازہ آپ خود کرسکتے ہیں،

علاوہ ازیں ایک اور خیانت ملاحظہ فرمائیے کہ سب سے پہلے صـ۱۴ کا یہ فقرہ نقل کیا ہے "بلکہ بالفرض آپؐ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپؐ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے" ——— پھر صـ۲۸ کا یہ فقرہ نقل کیا ہے "بلکہ بالفرض اگر بعد زمانۂ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئیگا ——— پھر صـ۳ کی یہ عبارت

نقل کی ہے، عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا،، الخ

کیا کوئی بھی عقلمند خاں صاحب کو ان کی اس نازیبا حرکت پر معذور رکھ سکتا ہے؟ اگر پہلے ص۳ پھر ص۱۴ پھر ص۲۸ کی عبارت نقل کرتے تب بھی کچھ گنجائش ہو سکتی تھی، کہ بالترتیب مختلف صفحوں کی عبارت نقل کرتے چلے گئے، مگر اب تو یہ عذر بھی نہیں ہو سکتا، لامحالہ کفریہ مضمون بنانے کے لئے خاں صاحب نے جان بوجھ کر ترتیب کو بدلا ہے اور کفریہ مضمون تراشا ہے۔

لیکن آپ غور کیجئے! ص۱۴ کی عبارت میں حضرت نانوتوی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں ،، بلکہ اگر بالفرض آپؐ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپؐ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے،، اور ص۲۸ پر تحریر فرماتے ہیں ،، بلکہ اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئیگا،، ہر دو مقام پر حضرت خاتمیت کا اقرار فرما رہے ہیں اور یہ امر پیش نظر ہے کہ خاتمیت محمدی جو قطعی ہے وہ باقی رہنی چاہئے پھر حضرت نانوتوی پر الزام لگانا کہ وہ خاتمیت کے منکر ہیں کس قدر دھوکہ ہے یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ حضرت خاتمیت کے منکر بھی ہوں اور یہ بھی فرمائیں کہ ،، خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے،، اور ،، خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا،، ہر شخص ادنیٰ غور سے سمجھ سکتا ہے کہ حضرت نانوتویؒ اس مقام پر کوئی اور خاتمیت ثابت فرما رہے ہیں، جو خاتمیت زمانی کے علاوہ ہے اور اسی خاتمیت کا یہ حال بیان فرما رہے ہیں کہ اگر بالفرض آپؐ کے زمانہ میں یا بالفرض آپ کے بعد بھی کوئی نبی فرض کیا جائے تب بھی خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہ آئیگا، وہ خاتمیت کون سی ہے؟ وہ خاتمیت رتبی ہے ——— اور صفحہ ۳ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف خاتم زمانی ماننا یہ عوام کا خیال ہے، محققین کے نزدیک آپؐ جیسے خاتم زمانی ہیں ویسے ہی خاتم رتبی بھی ہیں۔

دوسرا بہتان

حضرت نانوتوی قدس سرہٗ پر دوسرا الزام یہ لگایا گیا ہے کہ وہ امتیوں کو عمل میں انبیاء کرام کے مساوی بلکہ بڑھا ہوا تسلیم کرتے ہیں، یہ انبیائے کرام کی شان میں گستاخی ہے، مولوی محمد عمر صاحب تحذیر الناس کی عبارت اور قرآن پاک کی یہ آیت اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ نقل کر کے لکھتے ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ تمام عالمیاں کی جانوں کے مقابلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اولیٰ فرمادیں، اور تم اپنی جانوں کے اعمال کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال سے برتر سمجھو، کیا دیوبندی فرقہ کو قرآنی تعلیم کا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا یہی اثر ہے کہ اپنے آقا سے غلامی کو اعمال میں بالا سمجھتے ہو۔ (مقیاس حنفیت ص۲۱)

جواب تحذیر الناس کی جس عبارت کی وجہ سے حضرت نانوتویؒ پر یہ الزام لگایا گیا ہے وہ یہ ہے

"انبیاء اپنی امت سے اگر ممتاز ہوتے ہیں، تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ باقی رہا عمل، اس میں بسا اوقات "بظاہر" امتی مساوی ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ جاتے ہیں" (تحذیر الناس صـ۵)

دیکھئے! تحذیر الناس کی عبارت میں "بظاہر" کا لفظ موجود ہے جس پر ہم نے خط کھینچ دیا ہے اس لفظ سے مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ عمل میں امتی کا نبی کے برابر ہو جانا یا بڑھ جانا صرف ظاہری اعتبار سے ہوتا ہے حقیقت میں نہیں، یعنی کمیت اور مقدار کے اعتبار سے کبھی امتی عمل میں نبی سے بڑھ جاتے ہیں، لیکن کیفیت کے اعتبار سے کبھی امتی عمل میں نبی سے بڑھ نہیں سکتے۔

الغرض حضرت نانوتوی قدس سرہٗ نے جو بات بیان فرمائی ہے وہ اتنی واضح اور بدیہی ہے کہ کوئی شخص اس کا انکار نہیں کر سکتا، دیکھئے! شبِ معراج میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معتبر روایات کے مطابق تقریباً پندرہ برس دنیا میں رونق افروز رہے، جس کے پانچ ہزار چار سو دن ہوتے ہیں، اور ستائیس ہزار نمازیں، گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً ستائیس ہزار فرض نمازیں اپنی حیات طیبہ میں ادا فرمائیں، لیکن فرض کیجئے کہ آپؐ کا ایک امتی بلوغ کے بعد سو سال کی عمر پاتا ہے، اور اللہ کی توفیق سے تمام فرض نمازیں ادا کرتا ہے، تو اس کی فرض نمازوں کی تعداد پونے دو لاکھ کے قریب ہوگی، اور کمیت و مقدار میں اس امتی کی فرض نمازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرض نمازوں سے زیادہ ہونگی اس کا کون انکار کر سکتا ہے، اگرچہ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سجدہ کا جو وزن ہے وہ اُن پونے دو لاکھ نمازوں کا نہیں ——————

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں صرف ایک فرض حج کیا ہے۔ لیکن امتِ محمدیہ میں بہت سے حضرات ایسے ہیں جنھوں نے اللہ کی توفیق سے تیئیس چالیس حج کئے ہیں —————— یہی مطلب ہے حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کی عبارت کا، اور اس میں کسی نبی کی شان میں ادنیٰ درجہ کی گستاخی نہیں، لیکن ساون کے اندھے کو ہرا ہی سوجھتا ہے۔

حضرت گنگوہی قدس سرّہٗ پر بہتان

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرّہٗ پر رضاخانیوں نے یہ بے بنیاد بہتان باندھا ہے کہ معاذ اللہ! وہ خدا کو جھوٹا مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولا، خاں صاحب بریلوی "حسام الحرمین" میں لکھتے ہیں کہ:

"پھر تو ظلم و گمراہی میں اس کا حال یہاں تک بڑھا کہ اپنے ایک فتوے میں ــــ جو اس کا مہری دستخطی میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، بمبئی وغیرہ میں بارہا مع رد کے چھپا ــــ صاف لکھدیا: جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو بالفعل جھوٹا مانے اور تصریح کرے کہ معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ جھوٹ بولا، اور یہ بڑا عیب اس سے صادر ہو چکا تو اس سے کفر بالائے طاق گمراہی درکنار فاسق بھی نہ کہو، اس لئے کہ بہت سے امام ایسا کہہ چکے ہیں جیسا اس نے کہا" (ص ۱۵)

جواب یہ خالص بہتان ہے، اس میں رتی بھر بھی صداقت نہیں، بلکہ اس کے برخلاف حضرت گنگوہی قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا ہے کہ جو شخص یہ سمجھے کہ خدا تعالیٰ جھوٹ بولتا ہے، یا کہے کہ خدا جھوٹا ہے، وہ ہرگز مومن نہیں، وہ قطعاً کافر ہے، ملعون ہے، فتاویٰ رشیدیہ میں ہے۔

استفتاء کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ذاتِ باری تعالیٰ عزّ اسمہٗ موصوف بصفتِ کذب ہے یا نہیں؟ اور خدا تعالیٰ جھوٹ بولتا ہے یا نہیں؟ اور جو شخص خدائے تعالیٰ کو یہ سمجھے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے وہ کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ذاتِ پاک حق تعالیٰ جلّ جلالہٗ کی پاک و منزہ ہے، اس سے کہ متّصف بصفتِ کذب کیا جاوے، معاذ اللہ تعالیٰ! اس کے کلام میں ہرگز ہرگز شائبہ کذب کا نہیں ہے، قال اللہ تعالیٰ: وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا ــــــــــ جو شخص حق تعالیٰ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے یا زبان سے کہے وہ ہرگز مومن نہیں ہے، وہ قطعاً کافر ہے، ملعون ہے، اور مخالف قرآن اور حدیث اور اجماعِ امت کا ہے، وہ ہرگز مومن نہیں، تعالی اللہ عَمَّا یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا

البتہ یہ عقیدہ اہل ایمان سب کا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مثل فرعون و ہامان و ابی لہب کو جہنمی ہونے کا ارشاد فرمایا ہے، وہ حکم قطعی ہے، اس کے خلاف ہرگز ہرگز نہ کرے گا، مگر وہ تعالیٰ قادر ہے اس بات

پر کہ اس کو جنت دیدیوے۔ عاجز نہیں ہوگیا قادر ہے، اگرچہ ایسا اپنے اختیار سے نہ کرے گا، قال اللہ تعالیٰ، وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ

اس آیت سے واضح ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو مؤمن کر دیتا، مگر جو فرما چکا ہے اس کے خلاف نہ کریگا، اور یہ سب اختیار سے ہے اضطرار سے نہیں، وہ فاعلِ مختار ہے، فعّال لما یُرید ہے، یہ عقیدہ تمام علماء امت کا ہے۔ چنانچہ بیضاوی میں تحت تفسیر قولہ تعالیٰ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ الخ لکھا ہے کہ عدم غفران شرک کا مقتضیٰ وعید کا ہے، ورنہ کوئی امتناع ذاتی نہیں، اور یہ ہے عبارت اس کی وَعَدَمُ غُفْرَانِ الشِّرْكِ مُقْتَضَى الْوَعِيْدِ فَلَا امْتِنَاعَ فِيْهِ لِذَاتِهٖ، واللہ اعلم بالصواب،

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (فتاوی رشیدیہ ص ۱۸۱)

رہا خاں صاحب بریلوی کا یہ کہنا کہ حضرت گنگوہی کا مہری دستخطی فتویٰ بمبئی وغیرہ میں بارہا طبع ہوا ہے اس میں انھوں نے معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ کو بالفعل جھوٹا کہا ہے، تو یہ بھی خالص بہتان اور سفید جھوٹ ہے، حضرت گنگوہی قدس سرّہ کے سب سے بڑے خلیفہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری تحریر فرماتے ہیں کہ۔

"اور یہ جو بریلوی کہتا ہے کہ اس کے پاس مولانا (گنگوہی) کے فتوے کا فوٹو ہے جس میں ایسا لکھا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ مولانا قدس سرّہٗ پر بہتان باندھنے کو یہ جعل ہے، جس کو گھڑ کر اپنے پاس رکھ لیا ہے، اور ایسے جھوٹ اور جعل اسے آسان ہیں، کیوں کہ وہ اس میں استاذوں کا استاذ ہے اور زمانہ کے لوگ اس کے چیلے، کیوں کہ تحریف و تلبیس و دجل و مکر کی اس کو عادت ہے، اکثر مہریں بنالیتا ہے، مسیح قادیانی سے کچھ کم نہیں، اس لئے کہ وہ رسالت کا کھلم کھلا مدعی تھا۔ اور یہ مجددیت کو چھپائے ہوئے ہے، علماء امت کو کافر کہتا رہتا ہے۔ (المہند علی المفند ص ۳۷)

حضرت سہارنپوری پر بہتان

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ پر رضاخانیوں نے یہ الزام لگایا ہے کہ آپ نے "براہین قاطعہ" میں صراحۃً لکھا ہے کہ شیطان کا علم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے۔ خانصاحب بریلوی "حسام الحرمین" میں لکھتے ہیں کہ:

اور یہ بھی اسی تکذیبِ خدا کرنے والے گنگوہی کے دم چھلے ہیں کہ اس نے اپنی کتاب "براہین قاطعہ" میں تصریح کی کہ ان کے پیر ابلیس کا علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے، اور یہ اس کا برا قول خود اس کے بدالفاظ میں صـ۴۷ پر ہے "شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخرِ عالم کی وسعتِ علم کی کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کرکے ایک شرک ثابت کرتا ہے" (صـ۱۵)

تمہیدِ جواب (۱) جواب سے پہلے جان لینا چاہیئے کہ "براہین قاطعہ" حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے بلکہ مولوی عبدالسمیع صاحب رام پوری (صاحب حمد باری) نے بدعات مروجہ کی تائید میں اور حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے رد میں ایک کتاب لکھی تھی، جس کا نام انہوں نے "انوار ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ" رکھا تھا، اس کے رد میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے یہ کتاب لکھی ہے اس کا پورا نام "براہین قاطعہ علی ظلام انوار ساطعہ" ہے

(۲) خاں صاحب بریلوی کی عادت یہ ہے کہ کسی کتاب کی ناقص اور ادھوری عبارت پیش کرکے اپنے دل کے پھپھولے پھوڑتے رہتے ہیں یہاں بھی اپنی عادت کے مطابق ایسا ہی کیا ہے، اس لئے جواب سے پہلے مسئلہ کی پوری حقیقت جان لینی چاہیئے ——— اصل مسئلہ محفل میلاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا ہے۔ مولوی عبدالسمیع صاحب نے محفل میلاد میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر ہونے کو اس طرح ثابت کیا ہے کہ موت کا فرشتہ روحوں کو قبض کرنے کے لئے ہر جگہ حاضر ہے اور شیطان لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے ہر جگہ موجود ہے، اسی طرح چاند، سورج ہر جگہ موجود ہے، تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم محفل میلاد میں کیوں حاضر نہیں ہو سکتے؟ جب مفضول ہر جگہ حاضر ہو سکتا ہے تو افضل کیوں نہیں ہو سکتا؟ مولوی عبدالسمیع صاحب انوار ساطعہ میں چند احادیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:-

"ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ملک الموت ہر جگہ حاضر ہے، بھلا ملک الموت علیہ السلام تو ایک فرشتہ مقرب ہے۔ دیکھو! شیطان ہر جگہ موجود ہے، درمختار کے مسائل نماز میں لکھا ہے کہ شیطان اولاد آدم کے ساتھ دن کو رہتا ہے اور اس کا بیٹا آدمیوں کے ساتھ رات کو رہتا ہے، علامہ شامی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ شیطان تمام بنی آدم کے ساتھ رہتا ہے، مگر جس کو اللہ نے بچالیا، بعد اس کے لکھا ہے وَاَقْدَرَہٗ عَلٰی ذٰلِکَ کَمَا اَقْدَرَ مَلَکَ الْمَوْتِ عَلٰی نَظِیْرِ ذٰلِکَ، یعنی اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس بات کی قدرت دیدی ہے جس طرح ملک الموت کو سب جگہ موجود ہونے پر قادر کر دیا ہے، انتہیٰ کلامہٗ۔

اب عالم احساس محسوسہ میں اس کی مثال سمجھئے! کوئی آدمی مشرق سے مغرب تک آبادی دنیا کی اگر سیر کرے جہاں جاوے گا چاند کو موجود پاوے گا اور سورج کو بھی پاوے گا، پھر اگر وہ کہے کہ ایک چاند سب جگہ موجود ہے اور ایک سورج سب جگہ موجود تمہارے قاعدے سے چاہئے کہ وہ کافر ہو جائے کہ اس نے چاند کو ہر جگہ موجود کہا۔ حالانکہ تحقیق یہ ہے کہ نہ وہ مشرک ہے نہ کافر، خاصہ مسلمان ہے، پس اسی طرح سمجھو کہ جب سورج سب جگہ موجود ہو کر وہ چوتھے آسمان پر ہے، روح نبی صلی اللہ علیہ وسلم، جو ساتویں آسمان پر علیین میں موجود ہے، اگر وہاں سے آپ کی نظر مبارک کل زمین پر یا زمین کے چند مواضع و مقامات پر پڑ جائے اور ترشح انوار فیضان احمدی سے کل مجالس مطہرہ کو ہر طرف سے مثل شعاع شمس محیط ہو جائے کیا محال اور بعید ہے؟" (انوار ساطعہ مع براہین قاطعہ صـ۵۲)

تحقیقی جواب

خاں صاحب بریلوی نے براہین قاطعہ کی جس عبارت کو پیش کیا ہے اس میں حضرت سہارنپوری قدس سرہ انوارِ ساطعہ کی مذکورہ بالا عبارت کا رد فرما رہے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی صفات حقیقی اور ذاتی ہیں اور مخلوق کی صفات مجازی اور عطائی ہوتی ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے جس کو جتنی وسعتِ علم اور قدرت عطا فرمائی ہے اس سے زیادہ وہ ایک ذرہ بھر آگے نہیں بڑھ سکتا، لہٰذا افضل کو مفضول پر قیاس کر کے افضل میں مفضول کے برابر یا اس سے زیادہ وسعتِ علم ثابت کرنا صحیح نہیں ہے، اولاً اس وجہ سے کہ عقائد کے مسائل قیاسی نہیں، ثانیاً اس وجہ سے کہ قرآن و حدیث سے اس کے خلاف ثابت ہے۔ اور ثالثاً اس وجہ سے کہ اگر یہ قیاس صحیح مان لیا جائے تو لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ تمام مسلمان خصوصاً مولوی عبدالسمیع صاحب شیطان سے زیادہ غیب کا علم رکھتے ہیں۔ کیوں کہ ہر مسلمان چاہے فاسق ہی کیوں نہ ہو شیطان سے بہر حال افضل ہے۔

پھر اخیر میں یہ بات بیان فرمائی ہے کہ جب تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ مخلوق کی صفات عطائی ہوتی ہیں، تو پھر ملک الموت اور شیطان کی عطائی وسعتِ علم پر قیاس کر کے آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے لئے پوری زمین کا علم ذاتی غیر عطائی ثابت کرنا شرک نہیں تو کیا ہے؟ دیکھئے! براہین قاطعہ کی پوری عبارت یہ ہے:

عقیدہ اہل سنت کا یہ ہے کہ کوئی صف صفاتِ حق تعالیٰ کی بندہ میں نہیں ہوتی، اور جو کچھ اپنی صفات کا ظل کسی کو عطا فرماتے ہیں، اس سے زیادہ کسی میں ہونا ہرگز ممکن نہیں، سمع و بصر و علم و تصرف حق تعالیٰ کا حقیقی ہے، اور مخلوق کا مجازی، لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ الآیۃ۔

پھر جس کو جس قدر کوئی علم و قدرت وغیرہ عطا فرما دیا ہے اس سے زیادہ وہ ہرگز ذرہ بھر نہیں بڑھ سکتا، شیطان کو جس قدر وسعت دی، اور ملک الموت کو اور آفتاب و ماہتاب کو جس وضع پر بنایا ہے اس سے زیادہ کی ان کو کچھ قدرت نہیں۔ اور زیادہ کوئی ان سے کام نہیں نکلتا اور نہ اس کثرت و قلت پر فضل کی کمی زیادتی موقوف ہے۔ ــــــــــ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے بہت اعلیٰ و افضل ہیں مع ہذا علم مکاشفہ ان کا حضرت خضر سے بہت کم تھا، اور پھر جس قدر حضرت خضر علیہ السلام کو ملا اس سے زیادہ پر وہ قادر نہ تھے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو باوجود افضلیت کے نہ ملا، تو وہ حضرت خضر علیہ السلام مفضول کی برابر بھی اس علم مکاشفہ کو پیدا نہ کر سکے، پس آفتاب و ماہتاب کو حواس ہیئت وسعت نور پر بنایا، اور ملک الموت اور شیطان کو جو یہ وسعتِ علم دی اس کا حال مشاہدہ اور نصوص قطعیہ سے معلوم ہوا۔

اب اس پر کسی افضل کو قیاس کر کے اس میں بھی مثل یا زائد اس مفضول سے ثابت کرنا کسی عاقل ذی علم کا کام نہیں، اول تو عقائد کے مسائل قیاسی نہیں کہ قیاس سے ثابت ہو جاویں، بلکہ قطعی ہیں، قطعیات نصوص سے ثابت ہوتے ہیں کہ خبر واحد بھی یہاں مفید نہیں۔ لہٰذا اس کا اثبات اس وقت قابل التفات ہو کہ مؤلف قطعیات سے اس کو ثابت کرے اور خلاف تمام امت کے ایک قیاس فاسد سے عقیدہ خلق کا اگر فاسد کیا چاہے تو کب قابل التفات ہوگا ــــــــــ دوسرے قرآن و حدیث سے اس کے خلاف ثابت ہے، پس اس کا خلاف کس طرح قبول ہو سکتا ہے، بلکہ یہ سب قول مؤلف کا مردود ہوگا، فخر عالم علیہ السلام فرماتے ہیں: وَاللّٰهِ لَا أَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ، الحدیث، اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھکو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں اور مجلس نکاح کا مسئلہ بھی بحر الرائق وغیرہ کتب سے لکھا گیا[1] ــــــــــ

---

[1] جس مسئلہ کا حضرت نے حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے، اور مسئلہ مشہور، بحر الرائق اور عالمگیریہ و درمختار وغیرہ میں ہے کہ

تیسرے اگر افضلیت ہی موجب اس کی ہے، تو تمام مسلمان اگرچہ فاسق ہوں اور خود مؤلف بھی شیطان سے افضل ہیں، تو مؤلف سب عوام میں بسبب افضلیت کے شیطان سے زیادہ نہیں تو اس کی برابر تو علمِ غیب بزعمِ خود ثابت کر دیوے۔ اور مؤلف خود اپنے زعم میں تو بہت بڑا اکمل الایمان ہے تو شیطان سے ضرور افضل ہو کر اَعلَمُ من الشیطان ہو گا! معاذ اللہ! مؤلف کے ایسے جہل پر تعجب بھی ہوتا ہے اور رنج بھی ہوتا ہے کہ ایسی نالائق بات منہ سے نکالنا کس قدر دور از علم و عقل ہے۔

الحاصل عذر کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخرِ عالم ﷺ کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاسِ فاسد سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے؟! شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخرِ عالم ﷺ کی وسعتِ علم کی کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے" (ص ۵۰-۵۱)

یہاں یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہیے کہ حضرت نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ساری زمین کا علم ثابت کرنے کو جو شرک کہا ہے، اس سے مراد علم ذاتی ہے، عطائی نہیں، خود حضرت اسی بحث کے اخیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"اور یہ بحث اس صورت میں ہے کہ علم ذاتی آپ کو[1] کوئی ثابت کر کے یہ عقیدہ کرے، جیسا کہ جہلا کا یہ عقیدہ ہے، اگر بہ جانے کہ حق تعالیٰ اطلاع دے کر حاضر کر دیتا ہے، تو شرک تو نہیں، مگر بدون ثبوتِ شرعی کے اس پر عقیدہ درست بھی نہیں، اور بدون حجت ایسی بات کو عقیدہ کرنا موجب معصیت کا ہے" (براہین قاطعہ ص ۵۲/۵۳)

الغرض براہین قاطعہ میں جس علم کے اثبات کو شرک کہا ہے وہ علم ذاتی ہے جس کے بارے میں خود خاں صاحب بریلوی خالص الاعتقاد میں لکھتے ہیں کہ:

"علم ذاتی اللہ عزوجل سے خاص ہے، اس کے غیر کے لئے محال ہے جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر غیر خدا کے لئے مانے وہ یقیناً کافر و مشرک ہے"

(خالص الاعتقاد ص ۲۶ بحوالہ السحاب المدرار)

(حاشیہ ص ۳۲ کا) اگر کوئی نکاح کرے بشہادت حق تعالیٰ اور فخرِ عالم علیہ السلام کے، کافر ہو جاتا ہے، بسبب اعتقادِ علم غیب کے فخرِ عالم علیہ السلام کی نسبت، براہین قاطعہ ص ۴۹۔

[1] کو یعنی کے لئے۔

مُسکت جواب یہ خاں صاحب کے الزام کا تحقیقی جواب ہے اور مسکت جواب یہ ہے کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے براہین قاطعہ کیا۔ اپنی کسی بھی تصنیف میں یہ نہیں لکھا ہے کہ شیطان کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے، بلکہ اس کے برخلاف حضرت نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ معاذ اللہ! شیطان کا علم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے، وہ کافر و مرتد اور ملعون ہے، چنانچہ خود حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہٗ المہند علی المفند میں اہل حرمین کے انیسویں سوال کے جواب میں ارقام فرماتے ہیں کہ:

"اس مسئلہ کو ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم، حکم واسرار وغیرہ کے متعلق مطلقاً تمامی مخلوقات سے زیادہ ہے اور ہمارا یقین ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ فلاح شخص نبی کریم علیہ السلام سے اعلم ہے وہ کافر ہے، اور ہمارے حضرات اس شخص کے کافر ہونے کا فتویٰ دے چکے ہیں جو یوں کہے کہ، شیطان ملعون کا علم نبی علیہ السلام سے زیادہ ہے، پھر بھلا ہماری کسی تصنیف میں یہ مسئلہ کہاں پایا جا سکتا ہے؟" (المہند علی المفند ص ۲۵)

نیز حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری نے خاں صاحب بریلوی کے الزام کے تعلق سے حضرت قدس سرہٗ سے چند سوالات کئے تھے، حضرت نے ان سوالوں کا جو جواب تحریر فرمایا ہے اس میں بھی اس بات کی صراحت ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ شیطان کا علم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے وہ کافر و مرتد ہے وہ سوال و جواب یہ ہیں۔

استفتاء بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

بخدمت شریف مخدوم ومکرم جناب مولانا مولوی خلیل احمد صاحب، مدرس اول مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، ساکن، انبیٹھہ دامت برکاتہم۔

بعد عرض تحیۂ ماثورہ عرض ہے، مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی حسام الحرمین میں آپ کی نسبت یہ تحریر فرماتے ہیں کہ "اپنی کتاب براہین قاطعہ میں تصریح کی کہ ابلیس کا علم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے" امور ذیل دریافت طلب ہیں:

(۱) کیا اس مضمون کی آپ نے براہین قاطعہ یا کسی دوسری کتاب میں تصریح فرمائی ہے؟

(۲) اگر تصریح نہیں تو بطریق لزوم کے اشارۃً یا کنایۃً بھی یہ مضمون آپ کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے یا نہیں؟

(۳) اگر یہ مضمون صراحۃً مفہوم نہیں ہوتا اور لزوماً مفہوم ہوتا ہے تو یہ معنیٰ آپ نے مراد لئے ہیں یا نہیں؟

(۴) اگر یہ مضمون آپ نے نہ صراحۃً بیان فرمایا نہ اشارۃً نہ کنایۃً آپ کے کلام کو لازم، نہ آپ کی مراد تو جو شخص ایسا اعتقاد رکھے یا کہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے ابلیس کا علم زیادہ ہے اس کو آپ مسلمان جانتے ہیں یا کافر؟

(۵) جس عبارت کو خاں صاحب براہین قاطعہ سے نقل کرتے ہیں اور اس مضمون مذکورہ کو اس کا مفاد صریحی بیان کرتے ہیں، اس عبارت کا صحیح مطلب کیا ہے؟ بیّنوا توجروا، بندہ محمد مرتضیٰ حسن عفی عنہ

الجواب ومنہ الوصول الی الصواب:۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے جو بندہ پر الزام لگایا ہے بالکل بے اصل اور لغو ہے، میں اور میرے اساتذہ ایسے شخص کو کافر و مرتد و ملعون جانتے ہیں جو شیطان علیہ اللعن کیا، کسی مخلوق کو بھی جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے علم میں زیادہ کہے، چنانچہ براہین کے صـ۴۳ میں یہ عبارت موجود ہے: پس کوئی ادنیٰ مسلم بھی فخرِ عالم علیہ الصلوٰۃ کے تقرب و شرفِ کمالات میں کسی کو مماثل آپؐ کا نہیں جانتا، انتہی،

خاں صاحب بریلوی نے مجھ پر محض اتہام لگایا ہے، اس کا حساب روزِ جزا ہوگا، یہ کفری مضمون کہ شیطان علیہ اللعن کا علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہے، براہین کی کسی عبارت میں نہ صراحۃً ہے نہ کنایۃً، اور جس عبارت کو خاں صاحب براہین سے نقل کرکے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں وہ یہ ہے۔

شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخرِ عالم علیہ السلام کی وسعتِ علم کی کونسی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کرکے ایک شرک ثابت کرتا ہے، براہین صـ۴۲ اس مبحث میں یہ عبارت بھی براہین کی ملاحظہ ہو: تمام امت کا یہ اعتقاد ہے کہ جناب فخرِ عالم علیہ السلام کو اور سب مخلوقات کو جس قدر علم حق تعالیٰ نے عنایت کر دیا اور بتلا دیا، اس سے ایک ذرہ بھی زیادہ کا علم ثابت کرنا شرک ہے، براہین صـ۴۴، پھر جس کو جس قدر کوئی علم و قدرت وغیرہ عطا فرما دیا ہے اس سے زیادہ ہرگز ذرہ بھر بھی نہیں بڑھ سکتا، شیطان کو جس قدر وسعت دی، اور ملک الموت کو اور آفتاب و ماہتاب کو جس وضع پر بنایا ہے اس سے زیادہ کی ان کو کچھ قدرت نہیں، براہین صـ۴۶

ان عبارات سے ظاہر ہو گیا کہ عباراتِ مذکورہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ نعوذ باللہ شیطان کا علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے مساوی بھی ہو، چہ جائیکہ زیادہ! بلکہ عباراتِ مذکورہ کا یہ مطلب ہے کہ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت (یعنی جس قدر علم ان کو باعطائے الٰہی ملا ہے) نص سے ثابت ہے، فخرِ عالم علیہ السلام کی وسعتِ علم (یعنی وسعتِ ذاتی) کی کونسی نص قطعی ہے؟ (جس سے یہ ثابت ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ذاتی بغیر عطائے الٰہی حاصل ہے) جس سے تمام نصوص کو

رد کرکے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔

یہ عبارت ایسی صاف ہے کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ توہین، نہ شیطان کی فضلیت، ہاں شاید مولوی احمد رضا خاں صاحب اور ان کے ہوا خواہ یہ فرمادیں کہ یہ مطلب کہاں سے نکال لیا کہ مراد علم ذاتی کی نفی ہے، جواب یہ ہے کہ یہ بات بھی براہین کے اسی قول میں مذکور ہے، ملاحظہ ہو صد ۴۸ اور یہ بحث اس صورت میں ہے کہ علم ذاتی آپ کو کوئی ثابت کرکے یہ عقیدہ کرے، جیسا جہلاء کا یہ عقیدہ ہے اگر یہ جانے کہ حق تعالیٰ اطلاع دے کر حاضر کر دیتا ہے تو شرک تو نہیں، مگر بدون ثبوت شرعی کے یہ عقیدہ درست بھی نہیں، اور بدون حجت ایسی بات کو عقیدہ کرنا موجب معصیت کا ہے، انتہی

اس صاف اور صریح عبارت کے بعد بھی کیا کسی شخص کو کوئی شبہ رہ سکتا ہے۔

غرض خاں صاحب بریلوی نے محض اتہام اور کذب خالص بندہ کی طرف منسوب کیا ہے، مجھ کو تو مدت العمر کبھی وسوسہ بھی اس کا نہیں ہوا کہ شیطان کیا کوئی ولی فرشتہ بھی آپ کے علوم کی برابری کرسکے چہ جائیکہ علم میں زیادہ ہو، یہ عقیدہ جو خاں صاحب نے بندہ کی طرف منسوب کیا ہے کفر خالص ہے اس کا مطالبہ خاں صاحب سے روز جزا ہوگا، میں اس سے بالکل بری ہوں اور پاک، وکفیٰ باللہ شہیدا اہل اسلام عبارات براہین کو بغور ملاحظہ فرمادیں، مطلب صاف اور واضح ہے، حررہٗ خلیل احمد (السحاب المدرارعلی نوضیح اقوال الاخیار مصنفہ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری صد ۴۹/۵۲)

ایک وسوسہ کا ازالہ

علاوہ ازیں براہین قاطعہ کی عبارت میں نہ مطلق علم کی بحث ہے، نہ علوم نبوت اور علوم کمالیہ کی بحث ہے، بلکہ صرف زین کے علم کی بحث ہے، جس کو نہ نبوت و رسالت سے کوئی خاص تعلق، نہ اس پر کمال انسانی کا مدار، ایسے علوم غیر کمالیہ اگر انبیائے کرام کو عطا ہوں اور دوسری مخلوق کو دیدیئے جائیں، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اور نہ اس سے انبیائے کرام کی شان میں کوئی کمی آتی ہے، جیسے ایک فقیر کے گھر میں پھٹے پرانے کپڑے اور ناکارہ ساز و سامان ہو، اور شاہی خزانہ میں یہ چیزیں نہ ہوں، بلکہ لعل و جواہر اور قیمتی کپڑے اور عمدہ ساز و سامان ہو جو شاہی خزانہ کے مناسب ہے، تو اس سے شاہی خزانہ کی شان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، بلکہ پھٹے پرانے کپڑے اور ناکارہ ساز و سامان کا شاہی خزانہ میں ہونا جس طرح شاہی خزانہ کی شان کو گھٹاتا ہے۔ اسی طرح علوم شیطانی کی انبیائے کرام کی طرف نسبت کرنے میں انبیائے کرام کی شان کو گھٹانا ہے۔

الغرض جو علوم شانِ نبوت سے تعلق نہ رکھتے ہوں، وہ اگر انبیاء کرام کو حاصل نہ ہوں،

اور غیر انبیاء کو حاصل ہو جائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ——— اور یہ سمجھنا کہ انبیائے کرام کا علم شیطانی باتوں کو بھی محیط ہونا چاہیئے، اور معاذ اللہ! علوم شیطانی میں بھی اُن کا دائرہ سب سے وسیع ہونا چاہیئے، خالص شیطانی وسوسہ ہے جو صرف ان کو ردماغوں کو ہو سکتا ہے، جو علوم نبوت اور علوم شیطنت میں فرق نہ سمجھتے ہوں اور ان کے نزدیک گھی اور گوبر، ہیرے اور پتھر کی قیمت ایک ہو، دیکھیئے! رضاخانیوں کے پیشوا مولوی عبدالسمیع صاحب بھی اس فرق کا لحاظ کرتے ہوئے انوار ساطعہ میں لکھتے ہیں کہ:

"اور تماشا یہ کہ اصحاب محفل میلاد تو زمین کی تمام جگہ پاک ناپاک، مجالس مذاہبی وغیر مذاہبی میں حاضر ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں دعویٰ کرتے ملک الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا تو اس سے بھی زیادہ تر مقامات پاک ناپاک، کفر غیر کفر میں پایا جاتا ہے۔

(انوار ساطعہ مع براہین قاطعہ ص ۵۲/۵۳)

اب رضاخانی حضرات غور کر کے بتائیں کہ ان کے پیشوا مولوی عبدالسمیع صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ابلیس کی برتری اور وسعت کو تسلیم کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی یا نہیں؟ ع میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا!

حضرت تھانوی پر بہتان

پہلا بہتان حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ پر رضا خانیوں نے ایک بہتان یہ باندھا ہے کہ حضرت تھانوی نے "حفظ الایمان" میں صراحۃً لکھا ہے کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے، ایسا تو ہر بچہ اور پاگل بلکہ ہر حیوان اور چوپائے کو بھی حاصل ہے، خاں صاحب بریلوی "حسام الحرمین" میں لکھتے ہیں کہ:

"اور اس فرقۂ وہابیہ شیطانیہ کے بڑوں میں ایک اور شخص اسی گنگوہی کے دُم چھلوں میں ہے، جسے اشرف علی تھانوی کہتے ہیں۔ اس نے ایک چھوٹی سی رسالیا تصنیف کی، چار ورق کی بھی نہیں اور اس میں تصریح کی کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے ایسا تو ہر بچہ اور پاگل بلکہ ہر جانور اور چوپائے کو حاصل ہے، اور اس کی ملعون عبارت یہ ہے کہ:

"آپ کی ذاتِ مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے کیا مراد ہے؟ بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضورؐ کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے ـــــ الی قولہ ـــــ اور اگر تمام علوم غیب مراد ہیں اس طرح کہ اس کی ایک فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل نقلی و عقلی سے ثابت ہے"

میں (احمد رضا) کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی مہر کا اثر دیکھو! یہ شخص کیسے برابری کر رہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور چنین اور چناں میں" (حسام الحرمین صـ۲۱)

جواب واقعہ یہ ہے کہ کسی شخص نے حضرت تھانوی قدس سرہٗ سے تین۳ سوال کئے تھے، ان میں تیسرا سوال یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "عالم الغیب" کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ حفظ الایمان کی عبارت یہ ہے: اور (زید) کہتا ہے کہ علم غیب کی دو قسمیں ہیں: بالذات، اس معنیٰ کر "عالم الغیب" خدائے تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا، اور بواسطہ، اس معنیٰ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "عالم الغیب" تھے، زید کا یہ استدلال اور عقیدہ اور عمل کیسا ہے؟ (حفظ الایمان صـ۳)

حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے اس کے جواب میں یہ تحریر فرمایا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "عالم الغیب" کہنا جائز نہیں، اور اس کی دو دلیلیں تحریر فرمائی ہیں، پہلی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ شرعی محاورہ میں "عالم الغیب" صرف اسی ہستی کو کہا جاتا ہے جس کو ذاتی طور پر بلا واسطہ غیب کا علم ہو اور یہ شان صرف اللہ جل شانہٗ کی ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "عالم الغیب" کہنا موہم شرک ہونے کی وجہ سے ناجائز ہوگا ——— اور دوسری دلیل کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "عالم الغیب" کہنے والا اگر اس لئے "عالم الغیب" کہتا ہے کہ اسکے نزدیک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام غیوب کا تفصیلی علم ہے، جیسا کہ خدا تعالیٰ کو ہے، تو یہ خیال قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔ اس لئے اس کی بنا پر کسی کو "عالم الغیب" کہنا درست نہیں، ——— اور اگر تمام غیوب کی وجہ سے نہیں، بلکہ بعض غیوب کے جاننے کی وجہ سے یہ شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو "عالم الغیب" کہتا ہے، اور اس کا یہی نظریہ ہے کہ جس کو بھی غیب کی کچھ باتوں کا علم ہو اس کو "عالم الغیب" کہہ سکتے ہیں، تو پھر اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب یعنی غیب کی کچھ باتوں کا علم تو ہر کس و ناکس کو حاصل ہے کیوں کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے سے مخفی ہے، پس اس غلط نظریہ پر یہ لازم آئیگا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہر انسان کو بلکہ ہر حیوان کو بھی "عالم الغیب" کہا جائے، دوسری دلیل کی عبارت (جس پر خاں صاحب نے اعتراض کیا ہے) یہ ہے۔

"پھر یہ کہ آپؐ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب، اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے، کیوں کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے، جو دوسرے شخص سے مخفی ہے۔ تو چاہیئے کہ سب کو "عالم الغیب" کہا جاوے، پھر اگر زید اس کا التزام کرلے کہ ہاں میں سب کو "عالم الغیب" کہوں گا، تو پھر علم غیب کو منجملہ کمالات نبویہ شمار کیوں کیا جاتا ہے؟ جس امر پر مؤمن بلکہ انسان کی بھی خصوصیت نہ ہو وہ کمالاتِ نبوت سے کب ہوسکتا ہے؟ اور اگر التزام نہ کیا جاوے تو نبی، غیر نبی میں وجہ فرق بیان کرنا ضرور ہے ——— اور اگر تمام علوم غیب مراد ہیں اس طرح کہ اس کی ایک فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل نقلی و عقلی سے ثابت ہے" (حفظ الایمان صـ۹ امدادیہ دیوبند)

خود حضرت تھانوی قدس سرہ "بسط البنان" میں اس عبارت کی وضاحت یوں فرماتے ہیں،
"وہ عبارت (جس پر خاں صاحب نے اعتراض کیا ہے) دوسری دلیل کی ہے جو اس لفظ سے شروع ہوتی ہے۔ "پھر یہ کہ آپؐ کی ذاتِ مقدسہ پر" مطلب یہ ہے کہ آپؐ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا، یعنی محض اس بنا پر کہ آپؐ کو علوم غیبیہ بواسطہ حاصل ہیں۔ آپ کو "عالم الغیب" کہنا اگر صحیح ہو تو اس سے اگر کل غیر متناہیہ مراد ہوں تو وہ نقلاً و عقلاً محال ہے، اور اگر بعض علوم مراد ہوں گو وہ ایک ہی چیز کا علم ہو، اور گو وہ چیز ادنیٰ ہی درجہ کی ہو، تو اس میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا علم غیب تو زید و عمرو وغیرہ کے لئے بھی حاصل ہے۔
تو لفظ "ایسا" کا یہ مطلب نہیں کہ جیسا علم واقع میں حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے العیاذ باللہ منہا، بلکہ مراد اس لفظ "ایسا" سے وہی ہے جو اوپر مذکور ہے، یعنی مطلق بعض علم گو وہ ایک ہی چیز کا ہو، اور گو وہ چیز ادنیٰ ہی درجہ کی ہو، کیوں کہ اوپر بھی مذکور ہو چکا ہے کہ بعض سے مراد عام ہے، اور عبارتِ آئندہ بھی اس کی دلیل ہے، وہ قولہ، کیوں کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے، جو دوسرے شخص سے مخفی ہے، پس اگر زید ہر مخفی ادنیٰ چیز کے علم حاصل ہونے کو بھی "عالم الغیب" کے اطلاق صحیح ہونے کا سبب بتلاتا ہے، تو زید کو چاہیئے کہ ان سب کو "عالم الغیب" کہا کرے، کیوں کہ ان کو بھی بعض مخفی چیزیں معلوم ہیں۔ خود اس عبارت میں سرسری نظر کرنے سے یہ مطلب واضح ہو رہا ہے۔

پھر اس عبارت سے چند سطر بعد دوسری عبارت میں تصریح ہے کہ ہبوت کے لئے جو علوم لازم و ضروری ہیں وہ آپؐ کو تمامہا حاصل ہو گئے تھے، ——— انصاف شرط ہے جو شخص آپؐ کو جمیع علوم عالیہ شریفہ متعلقہ ہبوت کا جامع کہہ رہا ہے، کیا وہ نعوذ باللہ! زید و عمرو و صبی و مجنون و حیوانات کے علم کو مماثل آپ کے علم کے بتلاوے گا! کیا زید و عمرو وغیرہ کو یہ علوم حاصل ہیں؟ یہ علوم تو آپؐ کے مثل دوسرے انبیاء و ملائکہ علیہم السلام کو بھی حاصل نہیں
اس تقریر سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ عبارت مذکورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے مشابہ معاذ اللہ! علم زید، عمرو وغیرہ کو نہیں کیا گیا ——— اور لفظ "ایسا" ہمیشہ تشبیہ کے لئے نہیں آتا، بلغائے اہل لسان اپنے محاوراتِ فصیحہ میں بولتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ ایسا قادر ہے۔ مثلاً، تو کیا یہاں خدائے تعالیٰ کے قادر ہونے کو دوسروں کے قادر ہونے سے تشبیہ دینا مقصود ہے؟ ظاہر ہے کہ ہرگز نہیں ——— بلکہ اس شق پر جو محذور لازم کیا گیا ہے، اس میں

غور کرنے سے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ مشابہت کی نفی کی گئی ہے چنانچہ بعض مطلق علوم غیبیہ کے مراد لینے پر یہ خرابی بتلائی ہے کہ اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے الم یعنی اس صورت میں آپ کی تخصیص نہ رہے گی بلکہ زید و عمرو وغیرہ بھی اس صفت میں آپ کے شریک و مشابہ ہو جائیں گے حالانکہ آپ کی صفاتِ خاصہ کمالیہ میں کوئی آپ کا شریک و مشابہ نہیں ہے اس لئے یہ شق باطل ہوئی ،، (بسط البنان مع حفظ الایمان صلا ۱۲)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حفظ الایمان کی عبارت بالکل واضح اور صاف ہے اور ،، ایسا علم غیب ،، سے غیب کی کچھ باتوں کا علم مراد ہے، اور اس کا واضح قرینہ حضرت کا یہ جملہ ہے، ،، کیوں کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے، جو دوسرے شخص سے مخفی ہے ——— لیکن خاں صاحب بریلوی نے اپنی عادت کے مطابق ،، حسام الحرمین ،، میں اس جملہ کو حذف کر کے آگے پیچھے کی عبارت نقل کی ہے، اور قائل کی مراد کے خلاف لفظ ،، ایسا علم غیب ،، سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم شریف مراد لیکر ایک کفریہ مضمون کشید کیا ہے۔ اور الزام حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے سر تھوپا ہے۔ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے اپنی کسی تصنیف میں ہرگز یہ نہیں لکھا ہے کہ جیسا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے ویسا تو ہر بچہ اور ہر پاگل کو بلکہ ہر جانور اور ہر چوپائے کو بھی حاصل ہے۔ بلکہ اس کے برخلاف حضرت تھانویؒ نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ جو شخص ایسا اعتقاد رکھے یا بلا اعتقاد صراحۃً یا کنایۃً ایسی بات کہے وہ کافر ہے، حضرت خود ارقام فرماتے ہیں کہ ——— ،، یہ خبیث مضمون کسی کتاب میں نہیں لکھا، اور لکھنا تو درکنار میرے قلب میں بھی اس مضمون کا خطرہ نہیں گذرا ..... جو شخص ایسا اعتقاد رکھے، یا بلا اعتقاد صراحۃً یا اشارۃً یہ بات کہے، میں اس شخص کو خارج از اسلام سمجھتا ہوں کہ وہ تکذیب کرتا ہے۔ نصوص قطعیہ کی اور تنقیص کرتا ہے حضور سرور عالم فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کی، (بسط البنان مع حفظ الایمان صلا ۱۱)

پھر ،، بسط البنان ،، کے بالکل آخر میں لکھتے ہیں کہ :

،، بفضلہ تعالیٰ میرا اور میرے سب بزرگوں کا عقیدہ ہمیشہ سے آپ کے افضل المخلوقات فی جمیع الکمالات العلمیۃ والعلیہ ہونے کے باب میں یہ ہے کہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر ،،

دوسرا بہتان

رضاخانی کہتے ہیں کہ حضرت تھانویؒ کے ایک ارادت مند نے خواب میں یوں کلمہ پڑھا : لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَشْرَفُ عَلِیٌّ رَّسُوْلُ اللّٰہِ، پھر اس نے بیداری کی حالت میں درود شریف اس طرح پڑھا : اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا وَمَوْلَانَا اَشْرَفُ عَلِیٍّ ، اور حضرت تھانوی نے خواب کی تعبیر یہ بتائی کہ اس واقعہ میں تسلی ہے کہ جس کی طرف تم

رجوع کرتے ہو وہ بعونہ تعالیٰ مُتّبِع سنّت ہے۔ ——— اس سے ثابت ہوا کہ مولانا اشرف علی بنوت و رسالت کے دعوے دار ہیں، اور ان کے مریدان کا کلمہ پڑھتے ہیں اور اُن پر درود شریف بھیجتے ہیں، اور جو ان کا کلمہ پڑھتا ہے، اور اُن پر درود بھیجتا ہے اس کو بجائے کافر کہنے کے تسلّی دیتے ہیں، گویا اس کے کفر پر وہ خوش ہیں، لہٰذا وہ بھی کافر و مرتد کیوں کہ رضا بالکفر کفر ہے

تمہید جواب

جواب سے پہلے خواب کی تفصیل جاننا ضروری ہے، خود خواب دیکھنے والے کے الفاظ میں خواب کی تفصیل یہ ہے۔

"ایک روز کا ذکر ہے کہ "حسن العزیز" دیکھ رہا تھا، اور دوپہر کا وقت تھا کہ نیند نے غلبہ کیا اور سو جانے کا ارادہ کیا، رسالہ حسن العزیز کو ایک طرف رکھ دیا، لیکن جب بندہ نے دوسری طرف کروٹ بدلی تو دل میں خیال آیا کہ کتاب کو پُشت ہو گئی، اس لئے رسالہ حسن العزیز کو اٹھا کر اپنے سر کی جانب رکھ لیا اور سو گیا، کچھ عرصہ کے بعد خواب دیکھتا ہوں کہ کلمہ شریف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھتا ہوں، لیکن مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی جگہ حضور کا نام لیتا ہوں، اتنے میں دل کے اندر خیال پیدا ہوا کہ مجھ سے غلطی ہوئی کلمہ شریف پڑھنے میں اس کو صحیح پڑھنا چاہیئے، اس خیال سے دوبارہ کلمہ شریف پڑھتا ہوں، دل پر تو یہ ہے کہ صحیح پڑھا جائے لیکن زبان سے بیساختہ بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے اشرف علی نکل جاتا ہے، حالانکہ مجھکو اس بات کا علم ہے کہ اس طرح درست نہیں، لیکن بے اختیار زبان سے یہی کلمہ نکلتا ہے۔ دو تین بار جب یہی صورت ہوئی تو حضورؐ کو اپنے سامنے دیکھتا ہوں، اور بھی چند شخص حضورؐ کے پاس تھے، لیکن اتنے میں میری یہ حالت ہو گئی کہ میں کھڑا کھڑا بوجہ اس کے کہ رقت طاری ہو گئی زمین پر گر گیا، اور نہایت زور کے ساتھ ایک چیخ ماری اور مجھکو معلوم ہوتا تھا کہ میرے اندر کوئی طاقت باقی نہیں رہی، اتنے میں بندہ خواب سے بیدار ہو گیا، لیکن بدن میں بدستور بے حسی تھی، اور وہ اثر نا طاقتی بدستور تھا، لیکن حالتِ خواب اور بیداری میں حضورؐ کا ہی خیال تھا، لیکن حالتِ بیداری میں کلمہ شریف کی غلطی پر جب خیال آیا تو اس بات کا ارادہ ہوا کہ اس خیال کو دل سے دور کیا جائے، اس واسطے کہ پھر کوئی ایسی غلطی نہ ہو جاوے، بایں خیال بندہ بیٹھ گیا، اور پھر دوسری کروٹ لیٹ کر کلمہ شریف کی غلطی کے تدارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتا ہوں، لیکن پھر بھی یہ کہتا ہوں کہ: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا وَمَوْلَانَا اَشْرَفَ عَلِیٍّ حالانکہ اب بیدار ہوں، خواب نہیں، لیکن بے اختیار ہوں، مجبور ہوں زبان اپنے قابو میں نہیں، ——— اس روز ایسا کچھ خیال رہا تو دوسرے

روز بیداری میں رقت رہی، خوب رویا اور بھی بہت سے وجوہات ہیں جو حضور کے ساتھ باعث محبت ہیں، کہاں تک عرض کروں،

جواب اس واقعہ میں تسلی تھی جس کی طرف تم رجوع کرتے ہو وہ بعونہ تعالیٰ متبع سنت ہے، ۲۴ر شوال ۱۳۳۵ھ (رسالہ الامداد بابت ماہ صفر ۱۳۳۶ھ ص ۳۵/۳۴)

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ خواب کی ایک ظاہری صورت ہوتی ہے، اور اس میں پنہاں ایک حقیقت ہوتی ہے جس کو "تعبیر" کہتے ہیں کبھی خواب بڑا اچھا ہوتا ہے لیکن اس کی حقیقت اور تعبیر بالکل اس کے برعکس ہوتی ہے، اور بسا اوقات خواب وحشت انگیز اور خراب دکھائی دیتا ہے مگر اس کی تعبیر بڑی اچھی اور خوش کن ہوتی ہے، اس قسم کے دو تین خواب ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی حضرت ام الفضل بنت حارث رضی اللہ عنہا نے ایک خواب دیکھا، وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں، اور عرض کیا یا رسول اللہ! آج رات میں نے ایک برا خواب دیکھا ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ خواب کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ وہ بہت سنگین ہے، آپ نے فرمایا بتاؤ تو سہی وہ کیا ہے؟ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ آپ کے جسم اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھدیا گیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعبیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

رَاَیْتِ خَیْرًا، تَلِدُ فَاطِمَةُ اِنْ شَاءَ اللّٰہ غلامًا یَکُوْنُ فِیْ حِجْرِكِ (مشکوٰۃ ص ۵۷۲)

تم نے اچھا خواب دیکھا، ان شاء اللہ میری لختِ جگر فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک لڑکا جنے گی جو تمہاری گود میں ہوگا۔

(۲) امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جب مکتب میں پڑھتے تھے، اس وقت انھوں نے یہ خواب دیکھا کہ وہ مدینہ منورہ گئے اور وہاں پہونچ کر انھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس کو اکھاڑا ——— یہ پریشان کن اور وحشت انگیز خواب امام صاحب نے اپنے استاذ محترم کو بتایا استاذ محترم نے تعبیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر واقعی یہ خواب تمہارا ہے تو تم شریعت محمدیہ کی کھود کرید کرکے سنتِ نبوی کی پیروی کروگے،

مختلف الفاظ کے ساتھ یہ واقعہ الیواقیت الحسان ص ۶۴، مناقب کردری ص ۳۳ جلد ۱ مفتاح السعادۃ ص ۸۲ جلد ۲ اور خطیب کی تاریخ بغداد ص ۳۳۵ جلد ۱۳ مصری میں موجود ہے

(۴) تاریخ کی بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید کی بیوی زُبَیدہ خاتون نے یہ خواب دیکھا کہ بہت سے آدمی جمع ہو کر سب باری باری اس سے جماع کرتے ہیں، جب بیدار ہوئی تو بہت پریشان ہوئی، گھبراہٹ کی کوئی انتہا نہ تھی، آخر کار جب خواب کی تعبیر سامنے آئی، تو معلوم ہوا کہ ان سے کوئی ایسا کام وجود میں آئیگا، جس سے بے شمار لوگ فیض یاب ہوں گے،

چنانچہ انھوں نے "نہر زبیدہ" کھدوائی جو عراق عرب کے ایک بہت بڑے حصّہ کو سیراب کرتی ہے۔ اور بے شمار لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

دیکھئے! یہ تمام خواب بظاہر کتنے خراب اور پریشان کن ہیں، لیکن ان کی تعبیر کس قدر اچھی اور خوش کن ہے۔

جواب خواب ہمیشہ نیند کی حالت میں دیکھا جاتا ہے، اور نیند کی حالت میں جو کلمات زبان سے سرزد ہوتے ہیں، شریعت میں ان کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، حتیٰ کہ اگر کسی کی زبان سے نیند کی حالت میں کفریہ کلمات سرزد ہوں تب بھی اس پر کفر کا حکم نہیں لگ سکتا، کیوں کہ وہ شخص شرعاً مرفوع القلم ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الْمُبْتَلَا حَتّٰى يَبْرَأَ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَكْبَرَ (جامع صغیر ص ۲۴ ج ۲)

تین شخص مرفوع القلم ہیں، ایک سونے والا جب تک بیدار نہ ہو جائے، دوسرا جنون میں مبتلا، یہاں تک کہ اس کو افاقہ ہو، اور تیسرا بچہ جب تک کہ بالغ نہ ہو جائے۔

اور علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

وَفِي التَّحْرِيرِ: وَتَبْطُلُ عِبَارَاتُهُ مِنَ الْإِسْلَامِ وَالرِّدَّةِ وَالطَّلَاقِ وَلَمْ تُوصَفْ بِخَبَرٍ وَإِنْشَاءٍ وَصِدْقٍ وَكَذِبٍ كَأَلْحَانِ الطُّيُورِ (شامی ص ۴۲۷ جلد ۲ تحت قولہ وَالنَّائِمُ بعد مطلب فِي طَلَاقِ الْمَدْهُوشِ)

تحریر الوصول میں ہے کہ سونے والے کی باتیں مثلاً اسلام لانا، مرتد ہو جانا، اور طلاق دینا سب باطل اور لغو ہیں، سونے والے کی باتوں کو نہ خبر کہہ سکتے ہیں، نہ انشاء، نہ سچی کہہ سکتے ہیں نہ جھوٹی جیسے پرندوں کی آواز کو نہ خبر کہہ سکتے ہیں نہ انشاء نہ سچا نہ جھوٹا)

آگے مزید فرماتے ہیں کہ:

وَمِثْلُهُ فِي التَّلْوِيحِ، فَهٰذَا صَرِيحٌ فِي أَنَّ كَلَامَ النَّائِمِ لَا يُسَمّٰى كَلَامًا لُغَةً وَلَا شَرْعًا بِمَنْزِلَةِ الْمُهْمَلِ (حوالہ بالا)

اور تلویح میں بھی ایسا ہی ہے پس یہ عبارت اس سلسلہ میں صریح ہے کہ سونے والے کے کلام کو نہ لغوی اعتبار سے کلام کہہ سکتے ہیں نہ شرعی اعتبار سے جیسے مہمل لفظ کو کلام نہیں کہہ سکتے)

اسی طرح بیداری کی حالت میں بلا قصد و ارادہ غیر اختیاری طور پر زبان سے جو باتیں سرزد ہو جاتی ہیں، گو وہ بات کفر ہی کیوں نہ ہو، اس پر کفر و ارتداد کا حکم نہیں لگ سکتا، خادمِ رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ،

"اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ پر اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں جو کسی بے آب و گیاہ بیابان میں سفر کر رہا ہو، اور اچانک اس کی سواری کا اونٹ جس پر اس کے کھانے پینے کا سامان بھی لدا ہوا ہے گم ہو جائے، اور وہ تلاش بسیار کے بعد نا امید ہو کر کسی درخت کے سائے میں آ لیٹے، پھر اسی ناامیدی کی حالت میں اچانک دیکھے کہ اس کا اونٹ مع ساز و سامان کے اس کے سامنے کھڑا ہے پھر اس کی لگام پکڑ کر فرطِ مسرت میں کہتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَبْدِيْ وَاَنَا رَبُّكَ، اے اللہ آپ میرے بندے ہیں اور میں آپ کا رب ہوں!

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

اَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ (مشکوٰۃ ص۲۰۳) بے انتہا خوشی کی وجہ سے اس سے خطا ہو گئی

یعنی بے چارہ کہنا تو یہ چاہتا تھا کہ اے اللہ! آپ میرے رب ہیں اور میں آپ کا بندہ ہوں مگر بے انتہا خوشی کی وجہ سے زبان قابو میں نہ رہی، اور بلا قصد و ارادہ غیر اختیاری طور پر اس کی زبان سے یہ بات نکل گئی کہ اے اللہ آپ میرے بندے ہیں اور میں آپ کا رب ہوں۔

دیکھئے! یہ شخص نہ دیوانہ ہے نہ سویا ہوا ہے، جو کچھ کہہ رہا ہے وہ بیداری کی حالت میں کہہ رہا ہے، مگر اس کے باوجود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر کفر کا حکم نہیں لگاتے بلکہ اَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ فرما کر اس کو بے گناہ قرار دیا۔

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ بیداری کی حالت میں بھی اگر زبان سے بلا قصد و ارادہ غیر اختیاری طور پر کوئی کفریہ بات سرزد ہو جائے تو اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا، فقہائے کرام نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے، فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ:

وَاَمَّا الْخَاطِئُ، اِذَا جَرٰى عَلٰى لِسَانِهٖ كَلِمَةٌ خاطی کی زبان پر جب بلا قصد و ارادہ کفر کی بات

اَلْكُفْرُ خَطَأً بِاَنْ كَانَ اَرَادَ اَنْ يَتَكَلَّمَ بِمَا لَيْسَ بِكُفْرٍ فَجَرٰى عَلٰى لِسَانِهٖ كَلِمَةُ الْكُفْرِ خَطَأً لَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ كُفْرًا عِنْدَ الْكُلِّ۔ . . . .

جاری ہوجائے اسطرح کہ وہ ایسی بات کہنا چاہتا تھا جو کفر نہیں ہے، لیکن بلا قصد وارادہ اس کی زبان پر کفر کی بات جاری ہوگئی تو تمام فقہاء کے نزدیک وہ کفر نہیں ہوگا۔

. . . . . .

وَالْخَاطِیْ: مَنْ يَّجْرِیْ عَلٰى لِسَانِهٖ مِنْ غَيْرِ قَصْدٍ كَلِمَةٌ مَّكَانَ كَلِمَةٍ۔

اور خاطی وہ ہے جس کی زبان پر بلا قصد و ارادہ ایک کلمہ کی جگہ دوسرا کلمہ جاری ہوجائے

(فتاویٰ عالمگیری مع قاضی خان ص۵۷۷ جلد ۳، کتاب السیر باب مایکون کفراً من المسلم و مالایکون،)

سابقہ باتوں کو پیش نظر رکھ کر انصاف سے کہیئے! کہ جو شخص خود چلاّ چلاّ کر کہتا ہے کہ: بے اختیار ہوں، مجبور ہوں، زبان قابو میں نہیں، اور اس پر بعد میں روتا بھی ہے، ایسے شخص کو کافر کہنا کس کا کام ہے؟ اور جب جواب دیکھنے والا کافر نہیں تو رضا بالکفر (کفر پر خوش ہونے) کا ثبوت کس طرح ہو؟ اور حضرت تھانوی قدس سرہٗ کیوں کر کافر قرار پائے؟ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ

نیز غور کر کے بتائیے کہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے اس جملے سے کہ "جس کی طرف تم رجوع کرتے ہو وہ بعونہ تعالیٰ متبع سنّت ہے"، نبوت و رسالت کے دعوے کی تردید ہو رہی ہے یا اثبات؟ جو شخص اپنے آپ کو متبع سنّت کہہ رہا ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت پر چلنا اپنے لئے باعثِ نجات سمجھتا ہے، اس پر مدّعیِ نبوت ہونے کا الزام لگانا کتنا بڑا ظلم اور صریح بہتان ہے۔!! سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ!!

بحمداللہ اکابر کی اہم اور بنیادی عبارتوں کے مطالب اور رضاخانیوں کے الزاموں کے جوابات تفصیل سے پیش کردیئے گئے، ان کے علاوہ اکابر کی دیگر عبارتوں پر رضاخانی جو اعتراضات کرتے ہیں ان کے جوابات آپ کے لئے چنداں مشکل نہیں، اس لئے ان کو ترک کیا جاتا ہے، اور اخیر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تین حدیثیں پیش کر کے اس محاضرہ کو ختم کرتا ہوں۔

① حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اَيُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِاَخِيْهِ كَافِرٌ فَقَدْ بَاءَ بِهَا اَحَدُهُمَا، متفق علیہ (مشکوٰۃ شریف ص۴۱۱ باب حفظ اللسان)

جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہے تو یقیناً ان دونوں میں سے ایک اس کلمہ (کے وبال) کے ساتھ لوٹتا ہے۔

(۲) حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

لَا یَرْمِیْ رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوْقِ وَلَا یَرْمِیْہِ بِالْکُفْرِ اِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَیْہِ اِنْ لَمْ یَکُنْ صَاحِبُہٗ کَذٰلِکَ رواہ البخاری (حوالہ بالا)

کوئی شخص کسی شخص پر نہ فسق کی تہمت لگاتا ہے نہ کفر کی مگر وہ (تہمت) تہمت لگانے والے پر لوٹ جاتی ہے اگر اسکا ساتھی اس طرح کا نہ ہو

(۳) نیز حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

مَنْ دَعَا رَجُلًا بِالْکُفْرِ اَوْ قَالَ عَدُوَّ اللّٰہِ وَلَیْسَ کَذٰلِکَ اِلَّا حَارَ عَلَیْہِ، متفق علیہ (حوالہ بالا)

جو شخص کسی کو کفر کے ساتھ پکارے (یعنی کافر کہے) یا کہے خدا کا دشمن! حالانکہ وہ شخص اس طرح کا نہیں تو وہ بات اس پر لوٹ جاتی ہے۔

ان تینوں حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ جس کو کافر، فاسق یا خدا کا دشمن کہا ہے اگر واقع میں وہ ایسا نہیں ہے تو اس کا وبال کہنے والے پر ہوگا، والحمد للہ وحدہ، والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہٗ،

محمد امین پالن پوری
خادم دار العلوم دیوبند، یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ